اجتہاد و تقلید

پر

اعتراضات کا تجزیہ

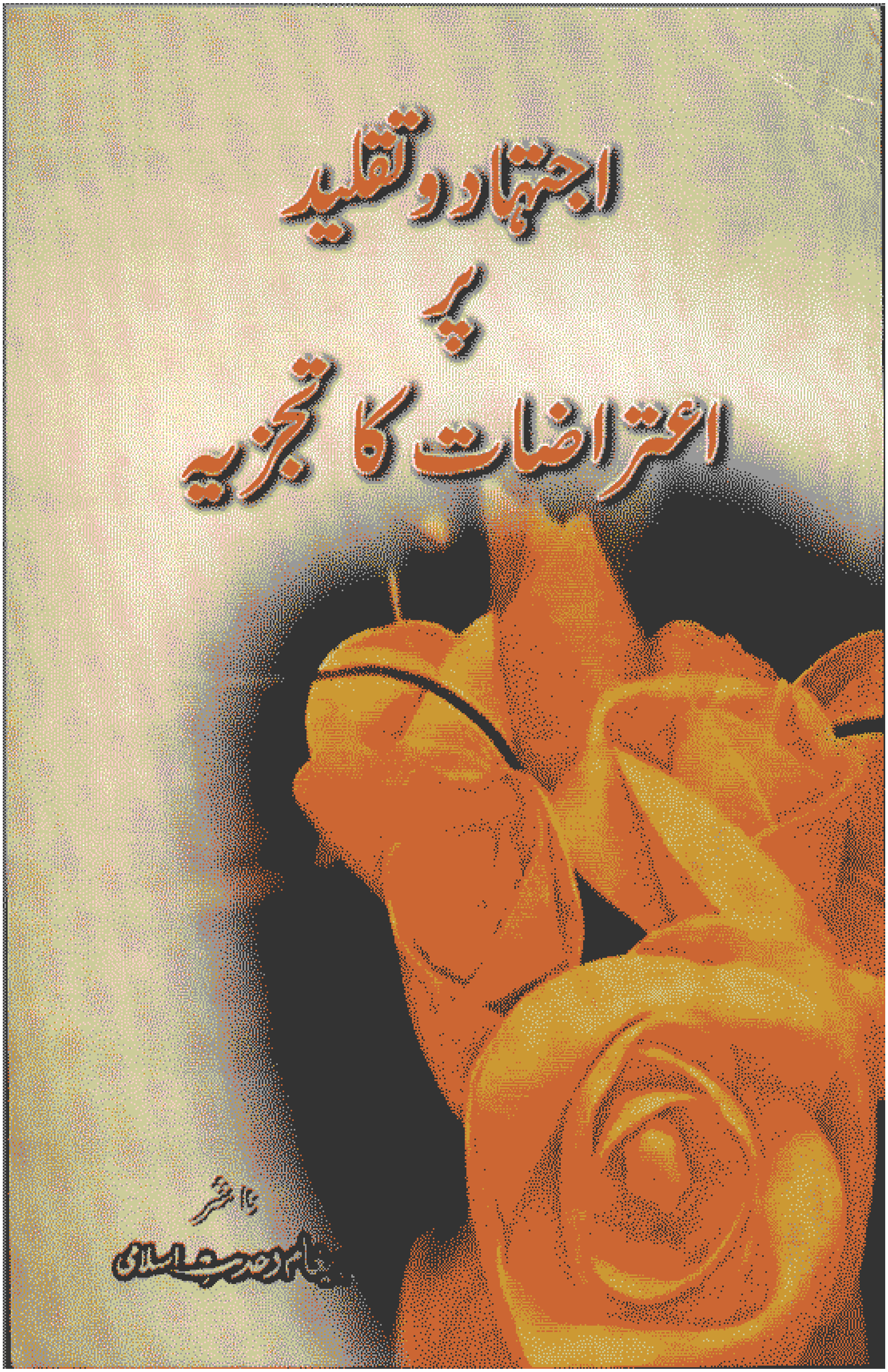

ناشر

پیام وحدت اسلامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم اسلام کی زندگی اور ایمان کا ستون ہے۔

علم عبادت سے افضل ہے

(رسول اللہؐ)

علم کے ذریعے اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے۔

علم کے ذریعے صلۂ رحم کیا جاتا ہے۔

علم کی وجہ سے حرام اور حلال میں پہچان ہوتی ہے۔

بھلائی یہ نہیں کہ تمہارا مال یا تمہاری اولاد زیادہ ہو بلکہ خیر و سعادت یہ ہے کہ تمہارا علم و دانش زیادہ ہو۔ (حضرت علیؑ)

اے مومن تیرے نفس کی قیمت علم و ادب ہیں

پس پوری کوشش سے علم و ادب کو حاصل کر

(حضرت علیؑ)

جہالت دشمن ہے

امام حسن عسکریؑ

میری نصیحتوں پر عمل کرو کیونکہ
میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں (رسول اللہؐ)

اللہ ہم سب کو محمدؐ و آل محمدؐ کی احادیث کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

◆ جس کام سے پہلے
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھی جائے اس
میں شیطان شریک ہوتا ہے۔ حدیث نبویؐ ہے
کہ ''جو کوئی اہم کام بغیر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
کے شروع کیا جائے۔ وہ ناقص اور ناتمام ہوتا
ہے۔''

◆ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ''جب بندۂ خدا سوتے وقت
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے تو خداوند فرشتوں سے فرماتا
ہے میرے ملائکہ صبح تک میرے اس بندے کے سانس لکھتے
رہو (ان کا اجر ملے گا)''

◆ جو شخص اپنے گھر کے دروازے کے بیرونی حصہ میں
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھے تو وہ ہلاکت سے محفوظ
رہے گا۔

◆ حضورؐ نے فرمایا ''جس دعا کی ابتداء
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہو وہ دعا کبھی
نامنظور نہیں ہوتی۔''

◆ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے:۔ ''جس نے میرا
ذکر کیا اور درود نہ بھیجا وہ شقی ہے۔ جس نے
رمضان کو پایا اور نیکی نہ کی وہ بھی شقی ہے اور جس
نے اپنے والدین اوران میں سے کسی ایک کو پایا اوران
کے ساتھ نیکی نہ کی وہ بھی شقی ہے۔''

◆ فرمایا حضرت رسول خداؐ نے بہترین لوگ روزِ قیامت وہ
ہوں گے جنہوں نے میرے اوپر بکثرت درود بھیجا ہوگا۔

◆ جو شخص اپنے گناہوں کو مٹانے کی طاقت نہ رکھتا ہوا سے
چاہیئے کہ وہ محمدؐ وآلِ محمدؐ پر بہت زیادہ درود وصلوٰت پڑھا
کرے تاکہ اس کے گناہ ختم ہوجائیں۔

◆ آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ جس شخص نے مجھ پر
کتاب میں تحریر کرکے صلوٰۃ بھیجی تو جب تک اس
کتاب میں میرا نام موجود رہے گا اس وقت
تک فرشتے اس کے لئے استغفار
کرتے رہیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجتہاد وتقلید پر اعتراضات کا تجزیہ

ناشر

پیغامِ وحدتِ اسلامی

کتاب کی شناخت

نام کتاب	:	اجتہاد وتقلید پر اعتراضات کا تجزیہ
جمع وترتیب	:	جمیع دانشمندان
ناشر	:	پیغامِ وحدتِ اسلامی
کمپوزنگ	:	عظیم گرافکس اینڈ لیزر کمپوزنگ
تعدادِ اشاعت	:	ایک ہزار
مطبع	:	حسن پرنٹرز، پاکستان چوک، کراچی
		فون: 2623515
طبع	:	دوم
سالِ طبع	:	۲۰۰۲ء
قیمت	:	۴۰ روپے

انتساب

ان عظیم المرتبت علماء و مراجع
کے نام
جنہوں نے اپنے قلب کے لہو کو
قلم کی سیاہی میں بدل کر
شجر دین اسلام کی
آبیاری کی

جن چیزوں کو نہیں جانتے

علماء سے پوچھو

البتہ یہ خیال رہے کہ ان کی لغزش کو ڈھونڈنے

اور آزمائش کے طور پر سوال نہ کرو

اور اس بارے میں

اپنی رائے پر عمل کرنے سے پرہیز کرو

(حضرت امام جعفر صادقؑ)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۔	مقدمہ	۷
۲۔	پیش لفظ	۱۱
۳۔	اجتہاد وتقلید کیا ہے؟	۱۳
۴۔	تقلید کے مفہوم سے ناآشنائی	۱۴
۵۔	اجتہاد وتقلید کا قرآن سے ثبوت	۱۶
۶۔	اجتہاد وتقلید کا احادیث سے ثبوت	۱۸
۷۔	حوادث واقعہ سے کیا مراد ہے؟	۲۲
۸۔	تقلید پر اعتراضات	۲۸
۹۔	پہلا اعتراض اور اس کا جواب	۲۸
۱۰۔	دوسرا اعتراض اور اس کا جواب	۳۰
۱۱۔	حکم تقلید عقلی ہے	۳۴
۱۲۔	تیسرا اعتراض اور اس کا جواب	۳۴
۱۳۔	چوتھا اعتراض اور اس کا جواب	۳۶
۱۴۔	کچھ لوگوں نے تقلید کرنا کب چھوڑی؟	۴۰
۱۵۔	پانچواں اعتراض اور اس کا جواب	۴۶
۱۶۔	چھٹا اعتراض اور اس کا جواب	۵۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۷۔	ساتواں اعتراض اور اس کا جواب	۵۳
۱۸۔	آٹھواں اعتراض اور اس کا جواب	۵۴
۱۹۔	نواں اعتراض اور اس کا جواب	۶۱
۲۰۔	دسواں اعتراض اور اس کا جواب	۶۶
۲۱۔	گیارہواں اعتراض اور اس کا جواب	۶۷
۲۲۔	بارہواں اعتراض اور اس کا جواب	۶۹
۲۳۔	اختلافات مجتہدین کی وجوہات	۷۲
۲۴۔	مسئلہ نماز جمعہ	۷۹
۲۵۔	مسئلہ خمس	۷۹
۲۶۔	مسئلہ وضو	۸۱
۲۷۔	مسئلہ تقیہ	۸۴
۲۸۔	روایات کے ٹکراؤ کی صورت میں مجتہدین کا عمومی طریقہ کار	۸۵
۲۹۔	مطلق ومشروط کا ٹکراؤ	۸۶
۳۰۔	واجب وحرام کا ٹکراؤ	۸۶
۳۱۔	دو برابر کی روایات کا ٹکراؤ	۸۷
۳۲۔	اقسام احادیث	۹۳
۳۳۔	ایک قابل غور نکتہ	۱۰۰
۳۴۔	ایک سوال	۱۰۱
۳۵۔	ماخذ	۱۰۳

مقدمہ

حضرت امام زمانہؑ کا ارشاد ہے

''جامع الشرائط مجتہد مثل میرے ہیں اور وارث انبیاء و آئمہؑ ہیں''

اجتہاد و تقلید ایک ایسا موضوع ہے جس پر اردو زبان میں بہت کم کتب لکھی گئی ہیں برصغیر پاک و ہند میں اگر چہ بزرگ تقلید کے فلسفے سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ عملاً اس پر گامزن بھی رہے ہیں لیکن جس انداز سے نوجوان نسل نے فلسفہ اجتہاد کو قبول کیا ہے وہ اس آشوب دور میں دین اسلام کی جاذبیت اور آفاقیت کی مستحکم دلیل ہے۔ خاتم النبیینؐ، آئمہ کرام علیہم السلام نے اجتہاد کا دروازہ اپنی حیات ظاہری ہی میں کھلوا کر اسلام جیسے دین کو ہمیشہ کے لئے ایک جمود سے بچا لیا ہے مذہب اہلبیتؑ کی یہ روش اس کو دیگر مکاتبِ فکر سے ممتاز کرتی ہے۔ اجتہاد کو اسلام چلانے کا انجن بھی کہا جاتا ہے۔ مجتہد افکار کے خام مال کو اس انجن کی بھٹی میں پیس کر اجتہادی عمل انجام دیتا ہے اور دوسری طرف سے اس

کو قابل عمل حالت میں معاشرے میں سپلائی کر دیتا ہے۔ کیونکہ عوام الناس کما حقہ تحقیق کئے بغیران افکار کو خام (CRUDE) حالت میں استعمال نہیں کر سکتے۔ موجودہ دور کے مسلمان اسکالرز جن میں مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ کے صاحبزادے ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال نمایاں ہیں اس جدوجہد میں مصروف عمل نظر آتے ہیں کہ اجتہاد جسے دیگر مسلمان مکاتب فکر ترک کر چکے ہیں دوبارہ قابل عمل بنایا جائے۔ اس کتاب میں جس موضوع کو زیر بحث لایا گیا ہے یعنی ''اجتہاد وتقلید پر اعتراضات اور ان کا مدلل جواب'' اس سے قبل اس موضوع پر کوئی کتاب منظر عام پر نہیں آئی۔ طرز تحریر میں استدلال اور آیات واخبار وحکایات سے بکمال خوبی و خوش اسلوبی سے استفادہ کیا گیا ہے اور حقائق کو بڑی سلیس اور سادہ زبان میں پوری تفصیل سے ایسے انداز میں بیان فرمایا ہے کہ ہر ذہن بآسانی سمجھ لے۔ اس کتاب کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اختلافات مجتہدین جیسے نازک موضوع کو بڑی باریک بینی سے اس کے اسباب وعلل کا جائزہ لیتے ہوئے زیر بحث لایا گیا ہے اور سادہ مثالوں کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عوام الناس کو ایک طرف اس الجھن سے نجات دلائی جائے اور دوسری طرف ایسی کوششوں کو قلع قمع کرنے میں بھی اقدام کیا جائے جو اجتہادی فکر کو نقصان پہنچانے کے لئے کی جارہی ہیں تاکہ شیعیت اسی ہٹاؤ اور جمود کا شکار ہو جائے جس فتنہ میں دوسرے مذاہب گرفتار ہوئے۔

آخر میں میں قومی تفکر کے لئے اتنا کہنا ضروری سمجھوں گا کہ مذہب حقہ پر قائم رہتے ہوئے اجتہاد وتقلید پر اعتراض محض جہل مقصری کے علاوہ کچھ نہ ہوگا کیونکہ امام حسن عسکری علیہ السلام کا واضح ارشاد موجود ہے کہ

''عام الناس کے لئے ضروری ہے کہ فقہاء یعنی احکام شریعت کو تفصیل و تحقیق کے ساتھ جاننے والوں میں سے جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرنے والا ہے، اپنی نفسانی خواہشات کا تابع نہ ہو اور رسولؐ کا فرمانبردار ہو اس کی تقلید کریں۔''

نیز امام زمانہ حضرت حجت علیہ اسلام کا ارشاد ہے۔

''زمانہ غیبت کبریٰ میں پیش آنے والے حالات کے سلسلے میں ہماری حدیثوں کو بیان کرنے والے علماء کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ ہماری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں اللہ کی طرف سے تم پر حجت ہوں۔''

آخر میں اس دعا کے ساتھ کہ پروردگار بہ تصدقِ محمدؐ وآل محمدؐ اس کتاب کی تصنیف وطباعت نیز عوام الناس تک پہنچانے میں تگ ودو کرنے والوں کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

والسلام

الاحقر

ڈاکٹر سید محمد حسن رضوی

خدا کسی قوم سے

عِلم کو نہیں اُٹھا لیتا ہے

بلکہ

عُلماء کی موت سے علم اُٹھ جاتا ہے،

اور جب کسی قوم میں کوئی عالم باقی نہیں رہتا

تو لوگ، جاہلوں کو اپنا قائد بنا لیتے ہیں،

جو بغیر علم کے لوگوں کو فتوے دینے لگتے ہیں

جس کے نتیجے میں وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں

اور قوم کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

(رسول اللہؐ)

پیش لفظ

اگر وسعت قلبی اور بالغ نظری سے دیکھا جائے تو اس وقت دنیا کے تمام مذاہب میں فقط اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جسے ہر طبقے کے لوگ تیزی سے قبول کر رہے ہیں خصوصاً براعظم یورپ اور امریکہ میں اسلام جس سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے اس کی وجہ سے اسلام دشمن طاقتیں بے حد مضطرب نظر آتی ہیں۔ ہم ان حالات کو اس انداز سے بھی کہہ سکتے ہیں کہ جدید دنیا جو خطہ زمیں سے باہر پرواز کر چکی ہے دوسرے سیاروں پر وجود زندگی کے متلاشی، کائنات پر حکومت کرنے کا خواب دیکھنے والی تہذیب یافتہ متمدن دنیا آج زندگی کے دوراہے پر کھڑی کہ یا تو دامن اسلام میں پناہ حاصل کرے یا مذہب کی قید و بند سے آزادی حاصل کرے، اس کی وجہ غالباً فقط ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام کی آفاقیت۔ چودہ سو سال پیشتر پیش کی گئی آیات قرآنی آج حرف بہ حرف سچائی پر منطبق ہو رہی ہیں۔ جوں جوں سائنس ترقی کی منازل طے کرتی جا رہی ہے اسلامی احکام کی حقانیت سامنے آتی جا رہی ہے۔ یہ اسلامی احکام خواہ آیات قرآنی کی صورت میں ہوں یا احادیث نبوی وارشادات آئمہ طاہرین علیھم السلام

کی صورت ہوں بنی نوع انسان کے لئے بہر حال فلاح و خیر خواہی کا منبع ہیں۔
اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کلام الٰہی وارشادات نبویؐ وآئمہ طاہرین علیہم السلام اتنے سادہ ہیں کہ ہر شخص انہیں بآسانی سمجھ سکے کیونکہ خود قرآن نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ۔ ''اس قرآن کی کچھ آیات محکم ہیں اور کچھ متشابہ''
اب یہاں سب سے اہم مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک عام شخص کیسے پہچانے کہ کون سی آیت محکم ہے اور کون سی متشابہ۔ ایسے ہی دیگر نکات کو حل کرنے کے لئے اسلام میں ریسرچ یعنی اجتہاد کا باب تفویض کیا گیا ہے یہ اجتہاد ہر انسان کو دعوت دے رہا ہے کہ آؤ دریائے اجتہاد میں غوطہ لگاؤ اپنی تشنگی بجھاؤ۔ لیکن بدقسمتی سے اس عظیم نعمت کو سمجھنے سے بہت سے بلکہ اکثر لوگ قاصر ہیں کچھ اپنی کم عقلی کی وجہ سے اور کچھ اسلام دشمن طاقتوں کی سازش کے نتیجے میں۔

اس کتاب کے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ جدید دور میں اعتراضات میں بھی جدّت پیدا ہوگئی ہے۔ لہٰذا اگر ان اعتراضات کو عقلی انداز اور نفسیاتی طریقے سے جلد از جلد دور نہ کیا گیا تو اس بات کا خدشہ ہے کہ کم عقلی کی وجہ سے اجتہاد و تقلید کو اپنے ناقص و ناکمل عقل کی کسوٹی پر پرکھنے والے افراد کہیں اپنے اوپر اس چیز کو واجب نہ کرلیں کہ اس عظیم تحفہ اجتہاد کو مٹانا ان کے فرائض میں شامل ہے۔
ہم امید کرتے ہیں معاشرے کے مختلف طبقات خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد بہت سی غلط فہمیوں سے نجات حاصل کریں گے۔

ناشر

اجتہاد و تقلید

اجتہاد و تقلید کیا ہے؟

کسی بھی موضوع میں جب انسان مطلب سمجھ نہ سکے اور اسے دوسروں سے اتباعاً اخذ کرے اسے تقلید کہتے ہیں۔ البتہ تقلید کے زیادہ تر مواقع ایسے ہیں جہاں تعلیم اور تجربے کی احتیاج ہوتی ہے کیونکہ کسی بھی علم سے بے بہرہ افراد، عالم و ماہر و تجربہ کاری ہی سے علم کے مسائل حاصل کرتے ہیں لہٰذا ایسے افراد کو مقلّد اور عالم و ماہرفن کو اس علم وفن کا مجتہد کہا جاتا ہے۔

شرعی احکام کو سمجھنے اور انہیں حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط کا ہونا ضروری ہے جو سب لوگوں کو میسر نہیں کیونکہ اس بات پر تو شک نہیں کہ ادیان آسمانی میں کسی دین نے اپنے پیروکاروں کو حیوانات کی طرح بلا تکلیف نہیں چھوڑا بلکہ کچھ احکام و دستور معین کئے تاکہ ان کا علم حاصل کرکے ان پر عمل کیا جائے۔ دین اسلام نے بھی کچھ احکام وقوانین بیان کئے ہیں جن کو قرآنی آیات اور احادیث معصومینؑ سے کافی وقت کے

ساتھ مخصوص شرائط کو پیش نظر رکھ کر حاصل کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص خود تحقیق کرے اور مذکورہ بالا مدارک سے اپنے روزمرّہ کے مسائل کو حاصل کرے وہ مجتہد ہے اور جو شخص اتنی صلاحیت نہیں رکھتا یا اتنا وقت نہیں رکھتا اس کو چاہئے کہ وہ مجتہد کی پیروی کرے، ایسے شخص کو مقلِّد کہتے ہیں۔

تقلید کے مفہوم سے ناآشنائی

معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ تقلید کے منکر ہیں یا تقلید کے حرام ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں وہ اصلاً۔ تقلید کے معنیٰ ومفہوم سے ہی غافل ہیں اور انہوں نے اس بارے میں علماء کی مراد نہیں سمجھی کیونکہ اگر تقلید کے معنیٰ یہ لئے جائیں کہ کوئی مجتہد یہ کہے کہ پیغمبرؐ اور امامؑ کا فرمان یہ ہے اور اس کے مقابلے میں میرا فتویٰ یہ ہے تو ایسے مجتہد کی تقلید بدعت ہے اور حرام ہے کیونکہ احکام کے حصول میں قرآن وسنت کے علاوہ کسی کی بات قابل قبول نہیں لیکن اگر فرض کریں کہ ایک شخص نے سالہا سال کی زحمت وتکلیف کے بعد آیات قرآنی وروایات معصومینؑ سے احکام وقوانین الٰہی کو حاصل کیا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے، انہی کی طرف سے کہتا ہے تو اس صورت میں جو شخص کلام خدا اور فرامین آئمہؑ سے احکام خدا کو حاصل نہیں کرسکتا اور اس بات کی طاقت وقدرت ووقت بھی نہیں رکھتا وہ اپنے دینی مسائل میں ایسے عالم ومجتہد کی بات مانے تو یقیناً ایسی تقلید نہ فقط عقلاً صحیح ہے بلکہ آئمہؑ کے دستور کے مطابق لازم وواجب ہے (جیسا کہ آگے چل کر روایات آئیں گی)

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ مجتہد کا فتویٰ دراصل خدا، رسولؐ اور آئمہؑ کے فرامین سے حاصل شدہ مطلب کا بیان ہے نہ کہ جس کو اس نے اپنی طرف سے بنا لیا ہو۔ اگر کوئی مجتہد کہے میری رائے اور فتویٰ اس طرح ہے تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ جو کچھ میں نے قرآن و حدیث و فرامین آئمہؑ سے سمجھا ہے وہ یہ ہے ورنہ اس کی تقلید، رائے، فتویٰ قابل قبول نہ ہوں گے اس سے پہلے کہ ہم اجتہاد و تقلید سے متعلق معترضین کے اعتراضات کے جواب دیں مناسب ہوگا کہ قرآن و احادیث سے اجتہاد و تقلید کے ثبوت فراہم کر دیں۔

- کیا میں تمہیں حقیقی عالم کے بارے میں نہ بتاؤں؟ (صحیح معنٰی میں عالم) وہ ہوتا ہے جو اللہ کی نافرمانی کو لوگوں کے لئے مزیّن کر کے پیش نہ کرے انہیں عذابِ الٰہی سے بے خوف اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرے۔ (حضرت علیؑ)
- عالم وہ ہوتا ہے جو نہ تو خود علم سے سیر ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے علم سے لوگ سیر ہوتے ہیں۔ (حضرت علیؑ)
- عالم کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ اس نے جان لیا ہے پہلے اس پر عمل کرے، پھر اس چیز کو جاننے کی کوشش کرے جسے نہیں جانتا۔ (حضرت علیؑ)

اجتہاد و تقلید کا
قرآن و حدیث سے ثبوت

اجتہاد و تقلید کا قرآن سے ثبوت

(۱) قرآن مجید میں سورہ توبہ کی آیت نمبر۱۲۲ ہے کہ

فما کان للمومنین لینفرو کافته فلولا نفر من کل فرقته منهم طائفته لیتفقهو فی الدین والینذر وقمهم ازا رجعو الیهم لعلهم یحذزرون ٥

ترجمہ ''یعنی مومنین کے لئے اپنے وطن کو تحصیل علم دین کے لئے چھوڑنا ممکن نہیں ہے پس حتماً ہر گروہ میں سے چند آدمیوں کا تحصیل علم دین کے لئے جانا ضروری ہے اور جب وہ اپنے وطن واپس آئیں تو ان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو دینی احکام کی تعلیم دیں اور انہیں عذاب الٰہی سے ڈرائیں شاید وہ ان کی گفتار کی پیروی کرتے

ہوئے عذاب الٰہی سے ڈریں۔''

یہ آیت شریفہ (تفقہ) یعنی تحصیل علم دین کو بعض افراد کے لئے واجب قرار دینے کے علاوہ ان احکام کو دوسروں تک پہنچانا بھی لازم قرار دے رہی ہے البتہ احکام دین کو حاصل کرنے اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کے دو طریقے ہیں جو قابل عمل ہیں کہ آیت شریفہ معنون جن کی تائید کر رہی ہے۔

پہلا طریقہ

خود اصل روایت کا حاصل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا۔ غالباً سابقہ زمانے میں اصحاب معصومینؑ کا طریقہ بھی یہی تھا یہی وجہ ہے کہ ان کو راوی یا ناقلین حدیث کہا جاتا تھا اور اسی وجہ سے یہ کہا گیا کہ اس آیت سے خبر واحد کی حجیت بھی ثابت ہوتی ہے۔

دوسرا طریقہ

یہ ہے کہ اسی فن کا ماہر عالم دین، آیات و روایات میں غور وفکر کرے اصولی وفقہی قواعد کے ذریعے تجزیہ وتحلیل کرنے کے بعد (جسے اجتہاد کہا جاتا ہے) جس نتیجے پر پہنچے اس کو فتویٰ کی صورت میں دوسروں کو سپرد کرے جیسا کہ آئمہ ھدیٰ کے بعض شاگرد بھی ایسے ہی تھے اور بارھویں امامؑ کی غیبت سے لوگوں کو احکام دین پہنچانے کا یہی طریقہ علماء نے

اختیار کر رکھا ہے۔

لہٰذا یہ آیت نقل روایت کے حجت ہونے کو بھی اور مجتہد کے فتوی کے حجت و معتبر ہونے کو بھی ثابت کر رہی ہے۔

اجتہاد وتقلید کا احادیث سے ثبوت

پہلی حدیث

احمد ابن عباس نجاشی نے رجال نجاشی، میں ابان ابن تغلب سے مروی امام محمد باقرؑ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ۔

"یا ابان اجلس فی مسجد المدینته و افت الناس
فانی احب ان یریٰ فی شیعتی مثلک
(ترجمہ) اے ابان اجلس مدینہ کی مسجد میں جا کر بیٹھ جاؤ اور لوگوں کو فتویٰ دو میں اپنے شیعوں میں تم جیسے فتویٰ دینے والے لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔"

ابان جو مجتہد اور صاحب فتویٰ تھے امامؑ نے انہیں فتویٰ دینے کا حکم فرمایا تاکہ لوگ سنیں اور اس پر عمل کریں۔ امامؑ کی نگاہ میں تمام مجتہدین اور صاحبان فتویٰ ابان کی طرح ہیں۔ یعنی حکم امامؑ کے مطابق ہر شخص کے لئے جو خود مجتہد نہیں ضروری ہے کہ وہ اپنے مورد ابتلاء مسائل میں کسی مجتہد کی تقلید کرے اور اس کے فتوؤں پر عمل کرے۔

اپنی تقلید نہ کروایئے

اب اگر کوئی مجتہد فتویٰ دیتا ہے تو گویا وہ امامؑ کے حکم پر عمل کرتا ہے کیونکہ امامؑ نے وافت الناس (تم فتویٰ دو) کہا اور یہ بھی کہا کہ (فانی احب ان یریٰ فی شیعی مثلک) کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے شیعوں میں تم جیسے لوگ ہوں۔ اور جو لوگ اس کا فتویٰ سنکر اس کی بات پر عمل کرتے ہیں وہ بھی امامؑ ہی کے قول پر عمل کرر ہے ہیں کیونکہ امامؑ کا یہ کہنا کہ اس پر عمل کریں۔ وافت الناس (لوگوں کو فتویٰ دو) اسی بناء پر تھا کہ تا کہ لوگ فتویٰ سن کر اس پر عمل کریں۔ اب لہٰذا جو شخص بھی فتویٰ دیتا ہے وہ قول امامؑ پر عمل کرتا ہے اور جو شخص بھی فتویٰ سن کر عمل کرتا ہے وہ بھی قول امامؑ ہی پر عمل کرتا ہے۔ اب جو شخص بھی اجتہاد وتقلید کے خلاف ہے وہ گویا امامؑ کے قول کے مقابلے میں لوگوں کو اپنے قول پر عمل کرنے کی دعوت دے رہا ہے کہ امام معصومؑ تو کہہ رہے ہیں کہ اجتہاد وتقلید کرو اور وہ کہہ رہا ہے کہ میری بات مانو اور تقلید نہ کرو۔

- عالم جاہل کو پہچانتا ہے کیونکہ وہ پہلے جاہل تھا۔ لیکن جاہل عالم کو نہیں پہچانتا کیونکہ وہ پہلے عالم نہیں تھا۔ (حضرت علیؑ)
- حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا ''عالم کی تین علامتیں ہیں: خدا کی ذات کا علم، جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا علم اور جس چیز کو ناپسند کرتا ہے اس کا علم۔ (حضرت امام جعفر صادقؑ)

دوسری حدیث

شیخ حُرِ عاملیؒ نے ، وسائل الشیعہ ، باب نمبر ۱۱ جلد نمبر ۱۴ کتاب القضا میں امام جعفر صادقؑ کی ایک روایت معاذ کے واسطے سے نقل کی ہے کہ امام صادقؑ نے معاذ سے فرمایا۔

"بلغنی ان تقعدو فی الجامع و تفتی فیه
یعنی معاذ ہم نے سنا ہے کہ تم مسجد میں جا کر لوگوں کو فتویٰ دیتے ہو معاذ نے فرمایا جی ہاں جو کچھ میں نے آپ سے حاصل کیا ہے وہ آپ کے ماننے والوں کو بیان کر دیتا ہوں۔
(فقال لی اصنع کذا) تو امامؑ نے معاذ کی تائید کرتے ہوئے فرمایا ہاں ایسا ہی کیا کرو۔"

معاذ روایات معصومینؑ سے استنباط کر کے حکم الٰہی فتویٰ کے صورت میں لوگوں کو بیان کرتے تھے۔ امامؑ کی نظر میں معاذ اور دوسرے مجتہدین یکساں ہیں یعنی مجتہدین کا فتویٰ لوگوں کے لئے حجت ہے اور اس پر عمل ضروری ہے۔

◆ عالم کو غیر عالم پر وہی فضیلت حاصل ہے جو نبی کو غیر نبی پر ہوتی ہے۔ (رسول اللہؐ)

تیسری حدیث

شیخ حرِ عاملیؒ نے وسائل الشیعہ، باب نمبر ۱۱ کتاب القضا میں نقل کیا ہے کہ

''عبدالعزیز نامی ایک شخص امام رضاؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کی یا حضرتؑ میرا گھر بہت دور ہے میں اپنے مورد ابتلاء مسائل پوچھنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا کیا آپ یونس ابن عبدالرحمٰن کی تائید کرتے ہیں اور میں اپنے دینی مسائل کا حل اُن سے حاصل کر سکتا ہوں۔ امام رضاؑ نے فرمایا۔ ہاں''

چوتھی حدیث

یہ روایت ایک توقیع مبارک ہے جسے شیخ صدوق نے اکمال الدین و اتمام النعمہ میں اسحاق ابن یعقوب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ (بحوالہ وسائل الشیعہ جلد نمبر ۱۸ صفحہ ۱۰۱)

اسحاق ابن یعقوب کہتے ہیں کہ میں نے محمد ابن عثمان العمری کے ذریعے حضرت حجتؑ کی خدمت میں ایک خط لکھ کر کچھ مشکل مسائل کا حل دریافت کیا تو حضرت حجتؑ نے اپنے قلم سے اس خط کا جواب تحریر کیا کہ

''فاما الحوادث الواقعہ فارجعو فیھا الیٰ رواۃ

احادیثنا فانهم حجتی علیکم و انا حجته اللّٰه

حوادث واقعہ میں تم ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ لوگ میری طرف سے تمہارے اوپر حجت ہیں اور میں خدا کی طرف سے ان پر حجت ہوں۔''

حوادث واقعہ سے کیا مراد ہے؟

ان سے مراد احکام و مسائل شرعیہ تو ہیں ہی کیونکہ شیعوں کے نزدیک یہ کوئی نئی بات تو نہ تھی اور اس پر متواتر روایات بھی موجود ہیں کہ مسائل شرعیہ میں فقہاء کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور آئمہؑ کے زمانے میں بھی شیعہ مسائل شرعیہ میں بحکم امامؑ فقہاء ہی کی طرف رجوع کرتے تھے لہٰذا حضرت حجتؑ کے دور غیبت صغریٰ میں نوابین اربعہ سے رابطہ رکھنے والے اور حضرت حجتؑ کو خط بھیجنے والے بھی یہ جانتے تھے کہ مسائل شرعیہ میں کس طرف رجوع کرنا چاہئے لہٰذا حوادث واقعہ سے مراد دور غیبت میں پیش آنے والے انفرادی و اجتماعی امور اور سماجی معاملات بھی ہیں جن کے بارے میں امامؑ سے سوال کیا گیا ہے اور انہی کے بارے میں حضرت حجتؑ نے جواب دیا۔

سوال بطور کلی تھا، اصولی تھا کہ جب ہم آپ تک نہیں پہنچ سکتے اور آپ سے براہ راست اپنے مسائل کا حل نہیں دریافت کر سکتے تو ہم کیا

کریں؟ بہر حال سوال اصولی تھا تو امامؑ نے بھی جواب اصولی دیا کہ حوادث و مشکلات میں ہمارے رواۃ حدیث یعنی فقہاء کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ لوگ میری طرف سے تم پر حجت ہیں۔

(بحوالہ حکومت اسلامی۔ امام خمینیؒ)

پانچویں حدیث

یہ روایت شیخ صدوقؒ نے چار معتبر طریقوں سے حضرت امیر المومنینؑ سے نقل کی ہے کہ جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ

پیغمبر اسلامؐ نے تین مرتبہ فرمایا (اللھمہ ارحم خلفائی) پروردگار میرے خلفاء پر رحم فرما۔ حضورؐ سے پوچھا گیا یا رسول اللہؐ آپ کے خلفاء و جانشین کون لوگ ہیں؟ تو حضورؐ نے فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث وسنت نقل کریں گے اور (فیعلمونھا الناس من بعدی) اسے میرے بعد لوگوں کو یاد کرائیں گے یعنی (پڑھائیں گے)۔

(بحوالہ جامع الاخبار۔ شیخ صدوقؒ عیون الاخبار الرضا۔ شیخ صدوقؒ مجالس)

◆ علم عمل کرنے والے کے لئے راہِ ہدایت ہے۔ (رسول اللہؐ)

چھٹی حدیث

جیسا کہ ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا

''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثل ہیں''

ساتویں حدیث

جامع الاخبار میں روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا

''میں قیامت کے دن اپنی اُمّت کے علماء پر فخر کروں گا، میری اُمّت کے علماء مجھ سے پہلے والے انبیاء کے مثل ہیں۔''

ظاہر ہے کہ ان تمام روایات سے علمائے اُمّت مراد ہیں نہ کہ آئمہ طاہرینؑ ورنہ ہمیں مذہب شیعہ کے اس مسلمہ عقیدہ سے دستبردار ہونا پڑے گا کہ ہمارے تمام آئمہؑ حضرت رسول اکرمؐ کے سوا تمام انبیاء مرسلینؑ سے افضل ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ آئمہؑ انبیاء کے وارث ہیں اور لوگوں کو آئمہؑ سے علم اور احادیث کو حاصل کرنا چاہئے نہ کہ علماء سے تو یہ درست نہیں ہے مزید یہ کہ آئمہؑ کے فضائل ومناقب کے بارے میں جو احادیث پیغمبرؐ سے وارد ہوئی ہیں وہ صاف اور صریح الفاظ میں نام بنام وارد ہوئی ہیں، زمانِ پیغمبرؐ میں تقیّہ کا کوئی محل بھی نہ تھا کہ رسول کنایہ واستعارہ سے کام لیتے۔

علمائے امت کی فضیلت میں وارد حدیثوں اور آئمہؑ کی فضیلت میں جو احادیث ہیں ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا ارحم خلفائی اور فیعلو نہاالناس من بعدی اور اس کے بعد کی روایات میں علماء ہی کو مراد لیا گیا ہے۔ اور خصوصاً فیعلموالنّاس۔ وہ لوگوں کو احکام سکھائیں گے، کتاب وسنت کی تعلیم دیں گے اس سے خود ان کے اجتہاد اور لوگوں کو ان سے مسائل کی تعلیم لینے کی طرف ہدایت کی گئی ہے۔

آٹھویں حدیث

عمر ابن حنظلہ روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا

"جو ہماری حدیثوں کی روایت کرتا ہو اور ہمارے حلال و حرام میں گہری نظر رکھتا ہو اور ہمارے احکامات سے واقف ہو تو اس کا حکم ماننے پر راضی ہو جاؤ اس لئے کہ (انی قد جعلتہ علیکم حاکماً) ہم نے انہیں تم پر حاکم بنایا ہے اور اگر وہ کوئی حکم دے اور اسے کوئی قبول نہ کرے تو اس نے خداوند عالم کے حکم کو حقیر سمجھا اور ہماری بات اور حکم کو ٹھکرادیا اور جس نے ہمارے حکم سے سرکشی کی تو اس نے خدا سے سرکشی کی اور خدا سے سرکشی کرنا کفر وشرک ہے۔"

بحوالہ

(۱) فرائدالاصول باب تعادل وتراجی از شیخ مرتضی انصاریؒ

(۲) وسائل الشیعہ جلد نمبر ۱۸ باب نمبر ۱۱ ابواب صفات القاضی روایت اول صفحہ ۹۸

(۳) حلیۃ الاولیاء جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۹۶

(۴) الامام الصادقؑ جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۲

(۵) نہج المقال صفحہ ۸۶

اب ملت اسلام کی ذمہ داری کیا ہے، اپنے مسائل کے حل کے لئے وہ کس کی طرف رجوع کریں؟ معصومؑ نے فرمایا کہ اختلافات میں جو لوگ حسب قواعد حلال وحرام کو جانتے ہیں، میزان عقلی وشرعی سے ہمارے احکام کی معرفت رکھتے ہیں، ہماری ان روایات وحدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے، امام نے واضح طور پر فرمادیا تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ محدثین بھی مرجع اور حاکم ہیں کیونکہ صرف حدیث کو نقل کرنا اور بات ہے اور قواعد حلال وحرام کا جاننا، احکام کی معرفت، اصول کا عالم ہونا، تقیہ اور خلاف واقعہ روایات کا عارف ہونا اور بات ہے۔

(فقد جعلته علیکم حاکما) ہم نے انہیں تم پر حاکم بنایا ہے، تو اب امامؑ کے حکم کی وجہ سے ہمیں ہر مسئلے کے حل کے لئے ان کے پاس جانا ہوگا اور جو ان مراجع کی طرف جانے سے روکے گا وہ امامؑ کے مقابلے میں گویا اپنے حکم کو ماننے کی دعوت دے رہا ہے۔

◆ جو تم میں زیادہ خوف (خدا) رکھتا ہے، وہ سب سے بڑا عالم ہے۔ (رسول اللہؐ)

نویں حدیث

اور مستدرک میں بھی غرر، کے حوالے سے یہ روایت ہے کہ

''العلماء حکام علی الناس (علماء لوگوں پر حاکم ہیں)''

دسویں حدیث

وسائل الشیعہ باب نمبر ۱۰ کتاب القضا میں شیخ حر عاملیؒ نے امام حسن عسکریؑ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جس میں امامؑ نے فرمایا

''فاما من كان من الفقهاء صائناً لنفسه حافظاً لدينه مخالف الهواه و مطيع الامر مولاه فللعوام ان يقلدوه

''فقہاء میں سے جو شخص بھی اپنے نفس کو بچاتا ہو، دین کی حفاظت کرتا ہو خواہشات نفسانی کی مخالفت کرتا ہو اپنے پروردگار کا مطیع وفرمانبردار ہو پس عوام کے لئے لازم ہے کہ اس کی تقلید کرلیں۔

◆ خوف خدا علم کی میراث، علم معرفت کی شعاع اور ایمان کا دل ہے۔ جو خوف خدا سے محروم ہے وہ عالم نہیں ہوسکتا، خواہ وہ علمی متشابہات میں اپنے بال نوچ ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اس کے بندوں میں خدا کا خوف کرنے والے بس علماء ہیں۔'' (امام جعفر صادقؑ)

اعتراضات اور ان کا تجزیہ

پہلا اعتراض

بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ تقلید کے حرام ہونے پر کئی آیات و روایات ہیں جیسا کہ سورہ زخرف آیت نمبر ۲۳ میں کفار کا قول خدا نے نقل کر کے تقلید کی مذمت کی ہے کہ

''انا وجدنا آبائنا علیٰ امه و انا علیٰ آثار هم مقتدون

ترجمہ: ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایک طریقے پر پایا اور ہم بھی ان کی اتباع کریں گے۔''

جواب

اولاً تو یہ آیات کفار سے متعلق ہیں چونکہ کفار پیغمبرؑ خدا کے خلاف ہونے اور اپنی بُری اور فاسد عادات کی پیروی کرنے کے علاوہ انبیاء کے معجزات اور دلائل کے مقابلے میں اپنے آباء و اجداد کے غلط عقائد اور طریقوں کی اتباع کرتے تھے اور یہ بات واضح ہے کہ ان کے آباء و اجداد

بھی ان ہی کی طرح جاہل و نادان تھے، پس درحقیقت اس آیت شریفہ میں جاہلوں اور نادانوں کی تقلید سے روکا گیا ہے اور مذمت کی گئی ہے نہ کہ صاحبان علم وفضل کی تقلید سے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان آیات میں اصول دین میں تقلید کی مذمت واضح ہوتی ہے جیسا کہ بعض روایات سے بھی ثابت ہے جیسا کہ شیخ مفید نے اپنی کتاب ارشاد، میں (ترجمہ از چہاردہ معصومؑ جواد فاضل صفحہ ۱۸۶) ایک روایت امام صادقؑ کے مخلص صحابی ہشام بن سالم کے حوالے سے نقل کی ہے کہ

جب منصور کے زمانے میں امام صادقؑ کی شہادت کے بعد اس وقت کے شیعہ اپنے رہبر وامام صادقؑ کے وارث کو پہچاننے کی فکر میں تھے تا کہ ان سے اپنے عہد کی تجدید کریں۔ تو جب ہشام بن سالم امام حق موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں پہنچے تو ان سے پوچھا۔ فرزند رسولؐ آپ کے پیشوا کون ہیں؟ امامؑ نے فرمایا! میرا کوئی پیشوا نہیں۔ پھر ہشام نے کہا فرزند رسولؐ آپ پر قربان! ہم ایسے مکتب و مذہب کے پیرو کار ہیں کہ کسی کی اندھی تقلید نہیں کرتے ہم استدلال و احتجاج کے مرد میدان ہیں اور آپ کے پدر بزرگوار نے ہماری اسی طرح تربیت کی ہے، اجازت ہے کہ آپ سے کچھ سوال کروں؟ امامؑ نے فرمایا جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو!۔۔۔الخ (اور پھر ہشام نے سوالات کیے اور امامؑ نے جوابات دیئے)

اس روایت میں ہشام کا یہ کہنا کہ ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے امامت سے متعلق تھا جو کہ اصول دین میں ہے اور اس میں تقلید نہیں ہوتی اور دلیل کی ضرورت پڑتی ہے جبھی ہشام نے دلیل بھی طلب کی۔ اس کے مقابلے میں فقہی احکامات میں تقلید کی جتنی روایات ہیں ہمیں کہیں یہ نہیں ملتا کہ امامؑ نے دلیل مانگنے کا حکم دیا ہو بلکہ مطلق حکم ہے کہ (**فللعوام ان یقلدوہ**) عوام کے لئے لازم ہے کہ وہ ایسے مجتہدین کی تقلید کریں۔

ورنہ امامؑ کے لئے یہ بات لازم تھی کہ ان تمام روایات میں یہ شرط ضرور لگاتے کہ فقہاء و مجتہدین سے دلیل ضرور طلب کریں۔

دوسرا اعتراض

یہ مجتہدین چاہتے ہیں کہ مقلِدین کی طاقت ان کے ہاتھ میں رہے یعنی وہ طاقت کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں، وہ مال کے حریص ہیں اور اس سلسلے میں ایک روایت بھی جو کہ وسائل الشیعہ باب نمبر ۱۰ کتاب القضا میں سفیان سے مروی ہے کہ امام صادقؑ نے سفیان بن خالد کو فرمایا اے سفیان! ریاست سے بچ چونکہ جو بھی ریاست وجاہ طلبی کے پیچھے پڑا وہ ہلاک ہوا۔ سفیان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا حضرت! پس ہم سب ہلاکت میں ہیں کیونکہ ہم میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگوں میں اس کا نام لیا جائے اور لوگ اس کے پاس آکر علم حاصل کریں (اور اس کی تقلید کریں)

جواب

(۱)____ اس روایت کو آدھا نقل کرنا اس روایت سے سوء استفادہ ہے کیونکہ اس کے بعد امامؑ نے فوراً کہا۔

''میرا مقصد یہ نہیں جو تو نے سمجھا ہے بلکہ اس مذمت سے میرا مطلب یہ ہے کہ تو کسی کو معصومؑ کی تائید کے بغیر ہر موضوع میں اس کی گفتار کی تصدیق اور لوگوں کو اس کی بات کی طرف دعوت دے۔''

(۲)____ امام صادقؑ اس روایت میں فرماتے ہیں کہ لوگ خود کسی کو مقام فتوئی اور قضاوت کے لئے مقرر نہیں کر سکتے اور لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے بلکہ مجتہد اور قاضی امامؑ کی طرف سے منصوب ہوتے ہیں اور خود امامؑ نے ان کے فتوئی کو معتبر قرار دیا ہے جیسا کہ پیچھے کی روایات میں امامؑ نے فرمایا

(۱) یا ابان ۔ ۔ (وافت الناس)	(لوگوں کو فتوئی دو)
(۲) فللعوام ان یقلدوہ	(لوگوں پر لازم ہے کہ تقلید کریں)
(۳) فقد جعلتہ علیکم حاکما	(ہم نے فقہاء کو تم پر حاکم مقرر کیا ہے)
(۴) قد جعلتہ علیکم قاضیا	(ہم نے فقہاء کو تم پر قاضی مقرر کیا)

پس امامؑ کا مجتہد وفقیہہ کی تقلید کرنا خود امامؑ کے حکم کی وجہ سے ہے نہ کہ عوام نے خود ہی کسی غیر مجتہد کو نصب ومقرر کیا ہو۔

(۳)۔۔۔۔ اسی روایت میں امامؑ کا جملہ یہ ہے کہ

''ایاک ان تنصب رجلا دون الحجۃ یعنی حجت سے مراد وہ ہے کہ جس کا قول شرعاً نافذ ہو''

پس اس بناء پر مجتہد بھی حجت ہے لیکن امامؑ خدا کی طرف سے حجت ہے اور مجتہد امامؑ کی طرف سے حجت ہے۔

یعنی اگر ان مجتہدین وفقہاء کی پیروی کے لئے احادیث نہ ہوتیں اور ہم خود ہی سے انکی اتباع و پیروی شروع کر دیتے تو یہ حرام ہوتا۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ تقلید کرنے والا مقلِد بھی خود ہی حجت (یعنی مجتہد) کو معین نہیں کرتا بلکہ امامؑ کی طرف سے منصوب حجت کی طرف رجوع کرتا ہے،

(۴)۔۔۔۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد اور مرجع (جس کی طرف لوگ رجوع کریں) ہوا لگ مطلب ہے اور کسی کو حجت قرار دینا الگ ہے۔ پہلی صورت جائز اور دوسری صورت حرام ہے کیونکہ راوی یہ عرض کرتا ہے کہ یا حضرتؑ ہماری یہ خواہش ہے کہ لوگ ہمارے پاس آئیں اور علم حاصل کریں (ویقیصد و یوخزعتہ) آپؑ فرماتے ہیں کہ میں اس کی مذمت نہیں کرتا بلکہ میری مذمت اس صورت میں ہے کہ جب تم کسی کو حجت کے عنوان سے مقرر کروگے (یہاں یقیناً کسی کو مقرر

کرنے سے مراد مسئلہ تقلید اور تحصیل علم کے علاوہ ہے) یعنی حضرتؑ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو آئمۂ ھدیٰ (جو رسولؐ کی طرف سے منصوب ہیں) کے مقابلے میں بنی اُمیہ و بنی عباس کو اولی الامر اور حجت سمجھتے ہیں کہ جو پیغمبرؐ اور ان کی پاک و طاہر اولاد کو چھوڑ کر بنی امیہ و عباس کو حجت اور انہی کی پیروی کرتے ہیں جن کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۵)ـــــ اس روایت میں یہ بھی امامؑ فرماتے ہیں کہ

(فتصدقه في كل ما قال) یعنی یہ جائز کہ جو کچھ وہ کہے اس کی تصدیق کرو اور اس کی پیروی کرو۔

اس بات کا مسئلہ تقلید سے کوئی ربط نہیں ہے کیونکہ مقلد اپنے مجتہد کی ہر بات میں تقلید اور پیروی نہیں کرتا مثلاً اصول دین میں تقلید نہیں ہوتی اور فروع دین میں بھی، ضروریات اور قطعیات میں تقلید نہیں ہوتی مثلاً خود نماز، روزہ، زکواۃ، خمس و جہاد کے واجب ہونے یا مثلاً شراب، جوا، مُردار، غصب و ظلم کے حرام ہونے میں جو دین اسلام میں سب کے لئے قطعی و مسلّم ہیں، تقلید درست نہیں ہے اگر کوئی مجتہد یہ کہے کہ نماز واجب نہیں ہے یا شراب نوشی جائز ہے تو اس کی بات بھی قابل قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح موضوعات خارجی میں بھی تقلید نہیں ہوتی یعنی مجتہد یہ کہے کہ یہ پانی ہے شراب نہیں ہے تو اب اس کی ہر بات پر عمل کرنا واجب و لازم نہیں ہے بلکہ ایسے مسائل میں مجتہد اور دیگر افراد میں کوئی فرق نہیں ہے سب یکساں ہیں بلکہ ان میں مجتہد خود اکثر اہل فن کا محتاج ہوتا ہے۔

حکم تقلید عقلی ہے

حکم عقلی بھی ہے۔ تقاضائے فطرت بھی یہی ہے اور روش و طریقہ عقلاء بھی یہی ہے کہ مثلاً کوئی مریض اگر خود اپنے مرض اور اس کی دوا تشخیص نہ کرسکتا ہو اس کے لئے دوسروں کا محتاج ہو اور دوسروں کی طرف رجوع کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ ہو تو اس کی عقل یہ فیصلہ کرے گی کہ اسے ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور ڈاکٹر جو علاج تجویز کرے اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ اگر ڈاکٹر کے موجود ہوتے ہوئے اس کی طرف رجوع نہ کرے اور خود کتابیں ٹٹول کر اس میں سے اپنے لئے دوا تجویز کرے جبکہ وہ خود اہل فن نہ ہو اور اس کی وجہ سے اس کا مرض بڑھ جائے یا اسے موت آجائے تو عقلاء اس کی مذمت کریں گے اور اس کا کوئی عذر قبول نہ کریں گے۔ اب جبکہ مریض یہ سمجھ کر کہ ڈاکٹر کی تشخیص، بیماری کے اسباب اس کے علاج کے طریقے، اس کی قدرت و طاقت سے باہر ہیں ڈاکٹر سے اپنے علاج کی دلیل طلب کرے تو یہ مورد تنقید واقع ہوگا یعنی عقلاء بھی اس کے اقدام کی مذمت کریں گے یعنی اس میں دلیل طلب کرنا عقل کے خلاف ہوگا۔

تیسرا اعتراض

اب اس مثال میں کچھ افراد یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جو آپ

ڈاکٹر کی مثال تقلید کے لئے پیش کرتے ہیں تو ڈاکٹر کی مثال اور مجتہد کی مثال میں فرق ہے ڈاکٹر تو ہم دوران علاج بدل بھی سکتے ہیں ۔لیکن جس مجتہد کی ہم تقلید شروع کر دیں اس کی موت تک ہم اس کی تقلید سے باہر نہیں آسکتے ۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دنیا کا سب سے بڑا اور بہترین ڈاکٹر صحیح علاج کر رہا ہو اور اس کے صحیح علاج کے دوران ہی اگر ہم اس ڈاکٹر کو چھوڑ کر کسی اور ڈاکٹر کی طرف رجوع کرلیں تو تمام عقلاء ہماری مذمت کریں گے البتہ اگر وہ ڈاکٹر ہی صحیح نہ ہو تو پھر آپ کی پہلی تحقیق ہی غلط تھی کہ وہ سب سے بڑا ڈاکٹر ہے اور اسے چھوڑ دینا عقلاً صحیح ہوگا یا اگر وہ علم کے اعتبار سے بڑا ڈاکٹر تو ہے لیکن وہ علاج میں سستی ، لاپرواہی یا نظر اندازی سے کام لے رہا ہے تو پھر اس کو بدل بھی سکتے ہیں بلکہ بدلنا ضروری ہوگا ورنہ عقلاء مذمت کریں گے گویا اس کی سستی ، لاپرواہی اور نظر اندازی کو جسے میڈیکل Ethics میں حرام کہیں گے اس کی عدالت ختم ہو جائے گی تو اس کو بدلنا ضروری ہوگا ۔تو اب یہ قانون عقلی تو ہماری فقہ میں بھی جاری و ساری ہوتا ہے کہ اگر مجتہد ان اصولوں کی پابندی نہ کرے جس کی پابندی کرنے پر ہی امامؑ نے اس کو قابل تقلید ٹھہرایا تھا یعنی اگر مجتہد کوئی گناہ کرے تو اس کی عدالت ختم ہو جائے گی اور اس کو بھی چھوڑ

دینا واجب ہوگا۔ خلاف عقل و خلاف شرع تو اس وقت ہوتا کہ جب مجتہد کی عدالت بھی ختم ہو جاتی اور پھر بھی ساری زندگی اس کی تقلید میں باقی رہنے کا حکم دیا جاتا۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔ تو دنیا کے سب سے بڑے ڈاکٹر اور دنیا کے سب سے بڑے عالم کی مثال میں کوئی تضاد نہیں ہے جیسا کہ کچھ افراد نے اس مثال میں شبہ کا اظہار کیا ہے۔

اور ویسے بھی قانون ہے کہ (لامنافشته فی المثال) مثال میں کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہئے مثال تو صرف بات کو سمجھانے کے لئے دی جاتی ہے۔ مثال میں تمام جہتوں کا آنا لازم بھی نہیں ہوتا۔

چوتھا اعتراض

کچھ افراد کی طرف سے یہ اعتراض بھی ہے کہ شیخ نجم الدین ابوالقاسم جو کہ المحقق کے نام سے مشہور ہیں وہ پہلے آدمی ہیں کہ جنہوں نے تقلید اور تقلید اَعلم کے نظریئے کو رائج کیا اور ان کے بعد کے سب علماء جو تقلید کے قائل ہیں وہ سب المحقق ، ہی کے نظریئے کے پیروکار ہیں۔ المحقق ۶۰۲ ھ میں پیدا ہوئے ان سے پہلے تقلید اور تقلید اعلم رائج ہی نہ تھی اور یہ بات ایک تاریخی حقیقت ہے۔

جواب

تاریخی حقیقت تو یہ ہے کہ اجتہاد و تقلید کا حکم تو امام ؑ کے زمانے ہی

سے شیعوں میں رائج تھا آئمہؑ تقلید کے مکتب یا نظام کو خود قائم کر کے گئے تھے جیسا کہ پچھلے دلائل سے ثابت ہے کہ خود چھٹے امامؑ نے ابان کو" وافت الناس" کہہ کر فتویٰ دینے کا حکم دیا بلکہ یہ بھی کہ میں آئندہ بھی اپنے شیعوں میں تم جیسے فتویٰ دینے والے لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔ یہ فتویٰ دینے کا حکم صرف ابان ہی کے لئے نہیں تھا بلکہ لوگوں کے لئے بھی یہ پیغام تھا کہ ان کے فتویٰ کی پیروی کرنا۔

یا امام حسن عسکریؑ کا یہ کہنا

"(فللعوام ان یقلدوہ) عوام کے لئے لازم ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کریں۔"

یا امام زمانہؑ کی توقیع کہ

"(فارجعو فیھا الیٰ راوۃ احادثینا) میری حدیثوں کے راویوں کی طرف رجوع کرنا۔"

یا معاذ ابن جبلؓ کے اجتہاد پر رسولؐ خدا کی پسندیدگی کا اظہار جس روایت کو شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسیؒ نے اپنی کتاب العدہ فی اصول الفقہ میں نقل کیا ہے کہ

"جس وقت پیغمبر اسلامؐ نے اپنی طرف سے معاذ ابن جبلؓ کو یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو حضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ حکومت کرنے میں تمہارا روش وطریقہ کیا ہوگا تو

معاذ نے عرض کیا کہ کتاب خدا و سنت رسولؐ کے مطابق عمل کروں گا تو حضرتؐ نے فرمایا جس مسئلے میں تمہیں میرا حکم نہ ملے گا تو کیا کرو گے؟ معاذؓ نے عرض کیا کہ میں اس وقت اجتہاد کروں گا اور انتہائی کوشش کروں گا کہ میرا فیصلہ روح احکام خدا کے مطابق ہو۔ یہ سنکر حضرتؐ نے معاذؓ کی تعریف کی اور ان کی تصدیق فرمائی۔''

احادیث و روایات سے قطع نظر اگر ہم تاریخ پر بھی نگاہ ڈالیں تو بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نہ صرف تقلید بلکہ تقلید اعلم غیبت کبریٰ کی شروعات ہی سے رائج رہی ہے۔ بارہویں امامؑ کی غیبت کبریٰ سے بالکل متصل زمانہ ہمارے متقدمین علماء کا زمانہ ہے اس میں بھی سید مرتضیٰؒ جو علم الھدیٰ کے لقب سے مشہور ہیں کا اعلیت کا قول پایا جاتا ہے۔

تاریخ سے بات ثابت ہوتی ہے کہ امامؑ کی غیبت صغریٰ ۳۲۹ھ میں ختم ہوئی اور غیبت کُبریٰ شروع ہوئی اور سید مرتضیٰ علم الھدیٰؒ کی پیدائش ۳۵۵ھ میں ہوئی اور وفات ۴۳۸ھ میں ہوئی یعنی بارہویں امامؑ کی غیبت کبریٰ کے ۲۶ سال بعد سیّد مرتضیٰ علم الھدیٰؒ پیدا ہوئے اور پھر ان کا نہ صرف یہ کہ اجتہاد و تقلید بلکہ مجتہد اعلم کی پیروی پر فتویٰ تاریخی شہادت دے رہا ہے کہ تقلید اعلم پر غیبت کبریٰ کے اوائل ہی سے عمل کیا جاتا رہا ہے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ المحقق نے سب سے پہلے تقلید کے اس Institution کو قائم کیا جن کی پیدائش ہی ۶۰۲ ھ ہے تاریخی اعتبار سے غلط ہے۔ اور المحقق کے تقلید کے مسئلے میں کسی کردار کو جو بات سید امیر علی کے حوالے سے دیتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ شیعی نقطہ نظر کو ثابت نہیں کرتے بلکہ تاریخی اعتبار سے بھی سید مرتضیٰ علم الھدیٰؒ کا تقلید کے لئے اعلیت کا فتویٰ ان کی تحقیق کو غلط ثابت کرتا ہے۔

البتہ تقلید اعلم کے مسئلے میں علماء میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ آیت العظمیٰ آقائے السید ابوالقاسم الموسوی الخوئیؒ نے اپنے درس خارج میں یہ بیان بھی کیا ہے کہ ہمارے متقدمین علماء جن کا زمانہ غیبت کبریٰ کے اوائل سے بالکل متصل ہے ان میں اعلیت کا قول پایا جاتا ہے۔ یہ قول متاخرین علماء میں ضعیف ہوگیا اور پھر متاخر المتاخرین علماء میں یہ قول پوری شدومد کے ساتھ دوبارہ آیا۔

تاریخ سے تو یہ بھی ثابت ہے کہ اہل سنت کے یہاں چوتھی صدی ہجری یا اس کے بعد اگر کوئی مجتہد پیدا ہوا تو اس کی پیروی وتقلید نہیں کی گئی لیکن اس سے پہلے جتنے بھی مجتہدین ہوئے وہ سب اپنے پیروکار ومقلدین رکھتے تھے۔ یعنی یہ صرف فقہ شیعہ ہی نہیں کہ جس میں تقلید کا رواج تھا بلکہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے تک اہل سنت میں بھی اجتہاد وتقلید ہوتی تھی اگرچہ بعد میں انہوں نے تقلید کو چار اماموں (ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد ابن حنبل) میں محدود کر دیا۔

کچھ لوگوں نے تقلید کرنا کب چھوڑی؟

لہٰذا اب سوال یہ نہیں ہے کہ اجتہاد و تقلید شیعت میں کب سے ہے؟ وہ تو ثابت ہو چکا کہ زمانہ رسولؐ خدا، زمانہ آئمہؑ اور زمان غیبت کبریٰ سے لے کر آج تک جاری وساری ہے بلکہ سوال تو یہ ہے کہ آخر چند افراد جن کے چند پیروکار آج بھی اجتہاد و تقلید سے روگردانی کا نعرہ بلند کر رہے ہیں انہوں نے کب شیعت کے اس مسلّم اصول کو چھوڑا؟

تاریخ سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اجتہاد و تقلید سے لوگوں کو سب سے پہلے ہٹانے والے اخباری مذہب کے بانی ملا محمد امین استر آبادی تھے جنہوں نے ۱۱ ویں صدی ھ کے اوائل میں اپنی کتاب فوائد المدینہ میں اپنے اجتہاد و تقلید کے خلاف نظریات کو سب سے پہلے ظاہر کیا ہے۔ بہتر ہے کہ اجتہاد و تقلید سے روگردانی کرنے والے اس شیعہ فرقے کے متعلق گفتگو ہم شہید مطہریؒ کے حوالے سے نقل کریں جس کو آقائے محمد عقیق بخشائش نے اپنی کتاب امام صادقؑ پیشوا اور رئیس مذہب میں نقل کیا ہے۔

آیت ا۔۔۔شہید مرتضیٰ مطہریؒ فرماتے ہیں کہ

''بہت تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ گیارہویں صدی ھجری کے اوائل میں شیعوں کے درمیان ایک نئے مسلک کا ظہور ہوا جو ظاہری اور حنبلی مسلک سے بھی

زیادہ جامد اور خشک تھا۔ یہ اخباری مسلک شیعت کی دنیا کا ایک بہت بڑا حادثہ تھا جس کے کم و بیش آثار اب بھی پائے جاتے ہیں اور جو شیعی معاشرے کے جمود کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ اخباری مذہب کے بانی ملا محمد امین استر آبادی تھے ان کی مشہور کتاب جو ان کے عقائد و نظریات کو واضح کرتی ہے وہ فوائد المدینہ ہے۔ امین استر آبادی مطلقاً اجتہاد و تقلید کا انکار کرتے تھے بلکہ اجتہاد و تقلید کو دین کے لئے بدعت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی شخص امام معصومؑ کے علاوہ کسی کی تقلید کا حق نہیں رکھتا مرزا امین استر آبادی اور ان کے پیروکاروں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب وہی ہے جو قدیم شیعوں کا ہے اور یہ کہ شیخ صدوقؒ کے زمانے تک شیعہ اخباری مسلک رکھتے تھے (یعنی اجتہاد و تقلید نہیں کرتے تھے) اور رفتہ رفتہ ابن ابو عقیلؒ، ابن جنیدؒ، شیخ مفیدؒ، سید مرتضیٰؒ اور شیخ طوسیؒ کے ذریعے لوگ راستے سے منحرف ہوتے گئے اور احکام الہیٰ میں اجتہاد و تعقل کو داخل کر دیا۔"

◆ ہر عالم (اللہ سے) ڈرنے والا ہوتا ہے۔ (حضرت علیؑ)

اس کے بعد شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ

''حقیقت یہ ہے کہ اخباریت، کبھی بھی اپنے معیّن اصول مثلاً غیر معصومؑ کی تقلید کا جائز نہ ہونا اور دلیل عقلی کا حجت ہونا جیسے اصولوں کے ساتھ کبھی بھی ایک مکتب کی صورت میں ظہور پذیر نہیں ہوتی (یعنی یہ کہا جائے کہ شیخ صدوقؒ اور ان سے پہلے کے علماء اجتہاد و تقلید کے قائل نہ تھے بلکہ اخباری مسلک رکھتے تھے) بلکہ بات فقط اتنی ہے کہ بعض لوگوں کا مشغلہ حدیث بیان کرنا ہوتا تھا اور وہ اپنی کتابوں میں صرف حدیثیں ہی بیان کرتے تھے اور ان کے فتوے اکثر حدیثوں کا موضوع ہوا کرتے تھے۔ احادیث کی کثرت، اور آئمہ اہل بیتؑ کے موجود رہنے سے ابھی یہ ضرورت بھی نہ پڑی تھی کہ فروعات میں اجتہاد کیا جائے۔''

''خوش نصیبی سے مجتہدین و اصولیین کے درمیان ایسی قدآور شخصیات وجود میں آئیں جو اخباریوں کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑی ہوگئیں جن افراد نے اخباری فکر کے خلاف سختی سے مقابلہ و مبارزہ کیا ہے ان میں سرفہرست استاد الکل آقائے وحید بہبہانیؒ اور شیخ مرتضیٰ انصاریؒ کا

نام نامی ہے۔ ضمناً یہ بات بھی کہے بغیر نہ رہ جائے کہ اخباریت کے خلاف بڑا ہی سخت مبارزہ تھا اس لئے کہ اخباری مسلک کے ظاہری شکل وصورت بہت حق بجانب اور عوام فریب ہے یہی وجہ ہے کہ امین استر آبادی کے بعد اس مسلک نے تیزی سے رواج پایا۔

اس بیان کے بعد شہید مرتضیٰ مطہریؒ فرماتے ہیں کہ۔

اخباری (اجتہاد وتقلید کے مخالف) اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ گویا قول وگفتار معصومؑ کے وہی سچے پیروکار ہیں (جبکہ وہ اس سے کوسوں دور ہیں) شیخ مرتضیٰ انصاریؒ اپنی کتاب ''فرائد الاصول'' کے مباحث براۃ واحتیاط میں ایک اخباری (اجتہاد وتقلید کو نہ ماننے والے) کا قول نقل کرتے ہیں اور یہ قول بظاہر عوام کو فریب دینے والا ہے کہ قیامت میں عدل الٰہی کے سامنے اگر کوئی اخباری کھڑا کر دیا جائے اور اس سے یہ سوال کیا جائے کہ تو نے دنیا میں کس طرح عمل کیا وہ جواب دے گا معصومؑ کے قول پر عمل کیا اور جہاں قول معصومؑ نہ ملا وہاں احتیاط پر عمل کیا تو یہ ممکن ہے کہ

ایسے شخص کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا اور دین سے بے پرواہ و لا ابالی اشخاص (یعنی مجتہدین و مقلدین) کو جنت میں لے جایا جائے گا۔''

''ظاہر ہے کہ ایسے عوام فریب افکار جو شکل و صورت میں حق بجانب معلوم ہوتے ہیں ان کے ساتھ مقابلہ کس قدر دشوار ہے۔ اجتہاد و تقلید کے ذمہ دار افراد نے اس کا جواب اس طرح دیا کہ ہم بھی معصومؑ کے قول واقعی کو تسلیم اور قبول کرتے ہیں مگر آپ اخباریوں نے جو امامؑ کے اقوال تسلیم کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے نہ تو صحیح و غلط احادیث میں امتیاز ہے اور نہ ہی کلام معصومؑ کی روح میں غور و تفکر۔ حقیقت میں یہ قول معصومؑ کو تسلیم کرنا نہیں بلکہ جہالت کو تسلیم کرنا ہے۔

اس کے بعد شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ

''یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اگرچہ چند رہبران اجتہاد کے مردانہ وار حملوں سے ہی اخباریوں کی صف درہم برہم ہو گئی مگر اخباری گری کی فکر بالکل ختم نہیں ہو سکی۔۔۔۔ اور آج بھی بعض جگہ اخباریت کے فکری جمود ہی کی سربراہی ہے اور بعض مطالب ایسے بھی دیکھے

جاتے ہیں کہ جو معارف اہل بیتؑ کے نام سے بازار
میں سامنے آتے ہیں لیکن حقیقت میں آئمہ اہل بیتؑ کی
تعلیمات میں خنجر بھونک رہے ہیں اور سوائے امین استر
آبادی کے بچے کچھے افکار کے علاوہ ان کے پاس اور
کچھ بھی نہیں ہے۔'' (شہید مطہریؒ کا بیان ختم ہوا)

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہوا کہ خود شہید مطہریؒ اخباریت (اجتہاد و تقلید سے روگردانی) کو شیعت کے لئے کتنا بڑا خطرہ شمار کرتے ہیں۔ اگر کہیں شہید مطہریؒ نے جاہلانہ تقلید کی مذمت کی ہے تو شہید مطہریؒ نے یہ باتیں فقہی احکام میں تقلید کے ضمن و سلسلے میں نہیں کہی ہیں بلکہ دیگر افکار مثلاً غیر ثابت شدہ امور میں ایسی تقلید کہ جس میں آگہی نہ ہو سکے اور فکری جمود طاری ہو جائے اس کی مذمت کی ہے ورنہ تو خود شہید مطہریؒ کے پچھلے بیانات اور ذیل میں درج بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خود شہید مطہریؒ احکام فقہی میں کس حد تک بلا سوال، بلا Argument اور بغیر کسی حیل وحجت کے تقلید کے قائل ہیں۔

آقائے شہید مرتضیٰ مطہریؒ اپنی کتاب ''عورت پردہ کی آغوش میں'' صفحہ ۲۳۶ پر پردہ سے متعلق اپنے نظریہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

''ممکن ہے کہ میرا نظریہ غلط ہو۔ میں نے یہ بات بار بار

کہی ہے کہ اس قسم کے فروعی مسائل میں ہر شخص کو یہ
چاہئے کہ وہ اپنے مجتہد کے فتوی پر عمل کرے۔''

پانچواں اعتراض

بہت سے لوگوں کو یہ بھی اعتراض ہے کہ اجتہاد و مرجعیت کا لفظ آئمہؑ کے زمانے میں ہمیں نہیں ملتا یا متقدمین علماء کے دور میں بھی ہمیں کہیں یہ لفظ نظر نہیں آتا لہٰذا یہ بعد کی ایجاد ہے۔

جواب

اس اعتراض کا جواب بھی آیت اللہ مرتضی مطہریؒ نے اپنے ایک مضمون میں کیا جسے ہم محمد عتیق بخشائشی کی کتاب ''امام صادقؑ پیشوا اور رئیس مذہب'' کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں

شہید مطہریؒ فرماتے ہیں۔

''آجکل ہم شیعوں میں بہت ہی معروف و مشہور لفظ بلکہ مقدس ترین لفظ اجتہاد و مجتہد ہے۔ یہ سن کر تعجب ہوگا کہ یہ لفظ رسولؐ خدا کے زمانہ سے لے کر مسلسل چند صدیوں تک سُنّی تھا اس کے بعد اس لفظ نے اپنے اندر کچھ معنوی تغیر و انقلاب کے بعد شیعت کو اختیار کیا ہے۔''

''اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ اسلام کی ابتدائی صدیوں

میں جو کہ آئمہؒ کے زمانے سے قریب ہیں یہ لفظ ''اجتہاد'' ایک خاص مفہوم کا حامل تھا اور آئمہؒ کے لئے یہ قابل قبول نہ تھا اور لازمی طور پر ان کی تعلیمات میں جگہ نہ پاسکتا تھا کیونکہ اس زمانے میں اجتہاد کے معنیٰ تھے اپنی رائے پر عمل کرنا، نہ کہ خدا کی مقرر کردہ دلیلوں سے حکم شریعت حاصل کرنا یعنی اجتہاد کا مطلب ذاتی رائے پر عمل کرنا ہوتا تھا لیکن جب بتدریجاً اس کے معنیٰ ومفہوم میں ایک تغیر پیدا ہوا اور فقہاء عامہ نے اسے دوسرے معنوں میں استعمال کرنا شروع کردیا تو اس کے بعد اس لفظ نے فقہ شیعہ میں اپنا راستہ پیدا کرلیا۔''

امام شافعی نے اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں باب اجماع کے بعد دوسرا باب۔ باب الاجتہاد قرار دیا ہے۔ اس کے بعد باب الاستحسان کے عنوان سے تیسرا باب قرار دیا ہے۔ اس کے بعد امام شافعی اپنی بحثوں میں یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ اجتہاد جو شریعت میں جائز سمجھا گیا ہے وہ قیاس میں منحصر ہے، باقی اجتہاد کی دوسری قسمیں مثلاً استحسان وغیرہ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قیاس کے جواز کی جو دلیلیں ہیں وہی اجتہاد کے جواز کی ہیں۔''

''یعنی چوتھی صدی اور پانچویں صدی تک ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علماء

جب لفظ اجتہاد استعمال کرتے ہیں تو وہ قیاس اور رائے کے مضمون میں استعمال کرتے ہیں مثلاً شیخ ابوجعفر طوسیؒ اپنی مشہور کتاب ''عدۃ الاصول'' میں ایک موضوع پر بحث کرتے ہوئے قدیم علماء کی طرح جہاں لفظ اجتہاد استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد قیاس لیتے ہیں اس کے بعد ایک دوسرا باب۔ باب الاجتہاد کے نام سے قائم کرتے ہیں اور اس میں اجتہاد سے مربوط مسئلے پر گفتگو کرتے ہیں اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ، قیاس واجتہاد شرع میں جائز نہیں ہے، شیخ طوسیؒ کی اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے تک ابھی لفظ اجتہاد کا مقصد خاص طور پر رائے اور قیاس تھا مگر تدریجاً اس لفظ نے بہت وسیع مفہوم اور معنیٰ پیدا کر لئے۔''

''صدر اول پیغمبرؑ اور اصحاب کی طرف منسوب حدیثوں کی پیروی کے ساتھ جو لوگ اس لفظ کو استعمال کرتے تھے تو اس سے ان کا مقصد اجتہاد رائے ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ اپنی کتاب ''المستصفیٰ'' میں لفظ اجتہاد کو بار بار قیاس کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں مثلاً امام غزالی اسی کتاب کی جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۵۴ پر فرماتے ہیں کہ۔

''اختلفو جواز التعبد بالقیاس والا جتہاد فی زمان رسول اللہؐ

اس بات میں اختلاف ہے کہ قیاس واجتہاد زمانہ رسولؐ خدا میں جائز ہے''

یہ حوالہ دینے کے بعد شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ

''اس کے بعد یہ لفظ رائے اور قیاس کے معنوں میں کم استعمال ہونے لگا بلکہ اس کے معنیٰ احکام شرعی کو حاصل کرنے کے لئے علمی مجاہدہ کے لئے جانے لگے اس معنوی تغیر و انقلاب کے بعد اس لفظ نے فقہ شیعہ میں بھی اپنی راہ پیدا کرلی کیونکہ شیعہ اجتہاد رائے کے مخالف تھے، علمی مجاہدہ کے نہیں اور ایسا کوئی تعصب بھی نہ تھا کہ اگر ایک لفظ کسی زمانے میں غلط مفہوم رکھتا ہو تو مفہوم بدل جانے کے بعد قابل استعمال نہیں ہوسکتا۔ یقیناً علمائے شیعہ میں سب سے پہلے جنہوں نے اس لفظ کو دوسرے معنوں میں استعمال کیا ہے وہ علامہ حلیؒ متوفی ۷۲۶ھ ہیں آپ نے اپنی کتاب ''تہذیب الاصول'' میں ایک باب ''باب الاجتہاد'' کے عنوان سے قائم کیا اور اجتہاد سے وہی معنیٰ ومفہوم مراد لئے ہیں جو آج کل لئے جاتے ہیں اور یہی وہ زمانہ تھا جب لفظ اجتہاد نے شیعت کو قبول کیا یا دوسرے الفاظ میں شیعت نے اجتہاد کو قبول کیا۔''

(شہید مطہریؒ کا بیان ختم ہوا)

شہید مطہریؒ کی گفتگو و دلائل سے واضح ہوا کہ وہ افراد جو لفظ اجتہاد و تقلید کو لفظی بنیاد بنا کر اس کی ولادت چھٹی یا ساتویں صدی ہجری میں بتا کر لوگوں کو شبہات میں گرفتار کرتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے۔ اصلاً ہمیں الفاظ کی بحث میں نہیں پڑنا چاہیے کہ فلاں لفظ کب رائج ہوا کب نہیں بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اجتہادی عمل کب سے جاری ہے اور وہ اوپر کے دلائل سے ثابت ہو چکا کہ زمانہ رسولؐ و آئمہؑ ہی سے جاری و ساری ہے۔

چھٹا اعتراض

کچھ افراد کا یہ بھی کہنا ہے کہ مجتہد اعلم تو ایک ہی ہو سکتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ تین، چار مجتہدین الگ الگ اپنا رسالہ عملیہ چھپوا کر اپنی تقلید کرواتے ہیں اور یہ بھی کہ اعلم کی تقلید غیر ممکن بھی ہے۔

جواب

کوئی بھی چیز جو ناپی جاسکتی ہو، تولی جاسکتی ہو یا گنی جاسکتی ہو اس میں عقلائے زمانہ میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ عقلاء کا اس بات میں اختلاف ہو کہ فلاں چیز دو کلو ہے یا تین کلو ہے یا فلاں کپڑے کی لمبائی دو میٹر یا تین میٹر ہے کیونکہ یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جنہیں تول کر ناپ کر یا گن کر معلوم کیا جاسکتا ہے اور عقلاء کا ان باتوں میں اختلاف نہیں ہو سکتا البتہ علم کیونکہ ایسی چیز نہیں ہے کہ جسے گن کر یا ناپ کر یا تول کر معلوم کیا

جا سکے لہٰذا کسی شخص کی علمیت یا اعلمیت جاننے میں عقلائے زمانہ میں اختلاف ہو جاتا ہے اور علم کا جانچنا ایک ایسی چیز ہے جس میں ہمیشہ سے عقلائے زمانہ مختلف الخیال ہیں اور جس میں اختلاف کا ہونا بھی عین قرین عقل ہے لہٰذا اب ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود تحقیق کرے کہ موجودہ مجتہدین میں علم کے اعتبار سے بڑا کون ہے؟ اور شہادت عدلین (۲ عادلوں کی گواہی) یا اختبار (خود پہچاننے کی صلاحیت) جیسے شرعی اصول انسان کی راہنمائی کرتے ہیں تاکہ وہ اس پریشانی سے نکل سکے اور کسی ایک معیّن مجتہد کی تقلید کرے اور ایسا زمانہ آئمہؑ میں بھی ہوتا رہا ہے جیسا کہ آقائے سید عبداللہ شبر نے مولائے کائناتؑ کے دو شاگردوں میں اختلاف کی صورت میں مولاؑ کا یہ قول نقل کیا ہے خذافقاھما یا ایک نسخے میں واعلمھما (ان دونوں میں جو زیادہ علم رکھتا ہو یا جو زیادہ بڑا فقیہہ ہو اس کی بات کو مان لو)۔

اس صورت میں امام علیؑ نے مستقبل کے لئے بھی یہ اصول دیا کہ جس کا علم سب سے زیادہ ہو اس کی بات ماننا چاہئے جبھی علماء نے اختلاف فتوٰی کے علم کی صورت میں مجتہد کے اعلم ہونے کی شرط لگائی ہے۔

امامؑ نے اصولی جواب دیا تاکہ ان کے بعد کے مجتہدین اسی اصول سے فروعات کا استنباط کریں جیسا کہ ایک اور موقع پر امام علیؑ نے فرمایا

"علینا القاء الاصول وعلیکم التفریع (بحوالہ جوامع حدیث)

ہمارا کام اصول بتانا ہے اور تمہارا کام ان اصولوں
سے فروعات کا استخراج واستنباط ہے''

علامہ ابن ادریس حلیؒ جیسے مجتہد اگرچہ خبر واحد کو قبول نہیں کرتے اور اس پر عمل بھی نہیں کرتے مگر اس حدیث کو اپنی کتاب ''سرائر'' میں ایک تسلیم شدہ اصل کی حیثیت سے بیان کیا ہے۔

نہج البلاغہ میں بھی مولائے کائنات نے ربانی و روحانی علماء کی خصوصیات ان الفاظ میں بیان فرمائی ہیں کہ۔

''قد نصب لنفسه لله في ارفع الامور من اصدار كل
وارد عليه او تصير كل فرع الىٰ اصله
یعنی ربانی وروحانی عالم (مجتہد) خلوص نیت اور فیضان
حکمت سے اپنے کو بلندترین چوٹی پر پہنچا دیتا ہے اور جو
مشکل اور دشوار مسئلہ اس کے سامنے آتا ہے تو اس کا
حل وہ تلاش کر لیتا ہے۔''

ان روایات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام فقہ میں اجتہاد کرنا واستنباط کرنا فقہی سرمایہ ہے اور اصولوں سے فروعات کے استخراج کا میدان اتنا وسیع ہے کہ کسی مجتہد کو ہرگز قیاس اور من گھڑت قوانین پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

◆ علماء لوگوں پر حاکم ہوتے ہیں۔ (حضرت علیؑ)

ساتواں اعتراض

کچھ لوگ یہ غلط فہمی بھی پھیلاتے ہیں کہ علماء تو فقط فقہ واصول فقہ ہی جانتے ہیں سائنس کی اتنی ترقیوں سے قطع نظر وہ بس مسجد یا مدرسہ کے کمرے میں بیٹھے ہوئے فقط نجاست وطہارت یا نماز وروزہ ہی کے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔

جواب

شائد معترضین فقہ کے معنیٰ ہی نہیں سمجھ پائے کہ عام زندگی میں جتنے مسائل پیش آتے ہیں ان سب میں فقہاء کی استنباط احکام تک تحقیق ہوتی ہے اور پھر وہ فتویٰ دیتے ہیں البتہ کیونکہ تحقیق کا تعلق موضوعات داخلی سے ہے موضوعات خارجی سے نہیں اس لئے مثلاً وہ یہ تحقیق نہیں کریں گے کہ کون کون سی شراب ہے اور کون سی نہیں وہ اصول بتادیں گے کہ (الخمر حرام لانہ مسکرون) شراب حرام ہے کیونکہ اس میں نشہ ہوتا ہے اب جس جس شے میں نشہ پایا جائے خود تحقیق کرو۔ لوگوں نے دوسرے سیاروں پر جانے کے مسائل پوچھے جدید بنکاری کے مسائل پوچھے۔ جدید اقتصادیات سے لے کر ٹیسٹ ٹیوب بے بی تک کے مسائل دریافت کئے فقہاء نے لاکھوں مسائل کا حل قرآن وسنت سے استنباط کر کے بتلایا لیکن فقہا کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ سائنس اور اس کی Applications سے متعلق تحقیق بھی

شروع کر دیں وہ فقہاء ہیں سائنسدان نہیں ہیں اور سائنس اور اس کی Applications سے متعلق تحقیق کرنا ان کا موضوع ہی نہیں ہے۔ وہ سائنسدان جو فزکس کو Deal کرتا ہے کیا اس سے یہ بات کہنا معقول ہے کہ تم Biology میں تحقیق کیوں نہیں کرتے کیونکہ وہ اس کا موضوع ہی نہیں ہے۔ مجتہد کا کام فقط یہ ہے کہ عام شخص کو زندگی میں جتنے مسائل پیش آتے ہیں ان کا حل وہ قرآن وسنّت سے تلاش کرے نہ کہ وہ خارج از موضوع مباحث میں گرفتار ہو جائے۔

آٹھواں اعتراض

بہت سے لوگوں کا یہ بھی اعتراض ہے کہ جب ہم خود قرآن وحدیث پڑھ سکتے ہیں اور احادیث کی کتابوں سے اور قرآن سے اپنے مسائل کا حل دریافت کر سکتے ہیں تو پھر ہمیں مجتہدین کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟

جواب

اگر کسی کی علوم قرآن اور علوم حدیث میں اتنی ہی نظر ہو تو پھر وہ شخص خود مجتہد ہے اور اسے واقعی کسی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی قرآن میں ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، مطلق و مشروط آیات، لغات عرب کا عالم ہو اور حدیث کے مندرجہ ذیل علوم کا ماہر ہو تو پھر واقعاً اس پر سے تقلید ساقط ہی ہو جائے گی اور وہ علوم احادیث درج ذیل ہیں جن کو مجتہد بننے کے لئے

حاصل کرنا ضروری ہے۔

(۱) ـــ محدث کی صداقت کا علم

(۲) ـــ اسناد حدیث کا علم

(۳) ـــ حدیث عالی کا علم

(۴) ـــ حدیث نازل کا علم

(۵) ـــ روایات موقوفہ کا علم

(۶) ـــ ان اسناد کا علم جس کی سند پیغمبر اسلام سے ذکر نہ ہو

(۷) ـــ صحابہؓ کے مراتب کا علم

(۸) ـــ احادیث مرسلہ اور ان کے سلسلے میں پیش کی جانے والی دلیلوں کی معرفت

(۹) ـــ تابعین سے نقل کی گئی احادیث کا علم

(۱۰) ـــ اسناد مسلسل کا علم

(۱۱) ـــ احادیث معنعنہ کا علم

(۱۲) ـــ روایات معضل کا علم

(۱۳) ـــ احادیث مدرج کی پہچان کا علم

(۱۴) ـــ تابعین کی شناخت کا علم

(۱۵) ـــ تبع تابعین کی معرفت

(۱۶) ـــ اکابر و اصاغر کی معرفت

(۱۷) ـــــ اولاد اصحاب کی معرفت

(۱۸) ـــــ علم جرح وتعدیل کی معرفت

(۱۹) ـــــ صحیح وسقیم کی پہچان

(۲۰) ـــــ فقہ الحدیث کا علم

(۲۱) ـــــ ناسخ ومنسوخ احادیث کا علم

(۲۲) ـــــ متن میں جو غریب (نامانوس) الفاظ استعمال ہوں ان کا علم

(۲۳) ـــــ احادیث مشہور کا علم

(۲۴) ـــــ غریب اور نامانوس احادیث کا علم

(۲۵) ـــــ احادیث مفرد کی پہچان کا علم

(۲۶) ـــــ ان لوگوں کی معرفت جو حدیث میں تدلیس کر دیتے ہیں

(۲۷) ـــــ حدیث کی علتوں کا پہچاننا

(۲۸) ـــــ شاذ روایات کا علم

(۲۹) ـــــ پیغمبرؐ کی ان حدیثوں کا جانچنا جو دوسری احادیث سے معارض ہوں

(۳۰) ـــــ ان حدیثوں کی معرفت جن کا کوئی رخ کسی رخ سے معارض نہ ہو

(۳۱) ـــــ احادیث میں الفاظ زائد کی معرفت

(۳۲) ـــــ محدثین کے مذہب کی اطلاع

(۳۳) ـــــ متون کی تحریری غلطیوں سے آگاہی

(۳۴) ـــــ مذاکرہ حدیث کا جانچنا اور مذاکرہ کرتے ہوئے راستگو کی معرفت

(۳۵) ـــــ اسناد میں محدثین کی تحریری غلطیوں کی اطلاع

(۳۶) ـــــ صحابہ، تابعین اور ان کے بھائیوں، بہنوں کی عصر حاضر تک معرفت

(۳۷) ـــــ ان صحابہ، تابعین، تباع تابعین کی معرفت جن میں سے بس ایک راوی نے روایت کی ہو۔

(۳۸) ـــــ اصحاب تابعین اور ان کے پیروؤں میں سے جو راوی ہیں، عصر حاضر تک ان کے قبائل کی معرفت

(۳۹) ـــــ صحابہ سے عصر حاضر تک کے محدثین کے انساب کا علم

(۴۰) ـــــ محدثین کے ناموں کا علم

(۴۱) ـــــ صحابہ، تابعین، تباع تابعین اور عصر حاضر تک ان کے پیروؤں کی نیت کا جاننا۔

(۴۲) ـــــ راویان حدیث کے وطن کی پہچان

(۴۳) ـــــ صحابہ، تابعین، تباع تابعین کی اولاد اور ان کے غلاموں کی معرفت

(۴۴) ـــــ محدثین کی عمر کی اطلاع۔ ولادت سے وفات تک

(۴۵) ـــــ محدثین کے القاب کی معرفت

(۴۶) ـــــ ان راویوں کی معرفت جو ایک دوسرے سے قریب ہیں۔

(۴۷) ـــــ راویوں کے قبائل ، وطن ، نام ،کنیت اور ان کے پیشوں میں متشابہات کی پہچان

(۴۸) ـــــ غزوات پیغمبرؐ، ان کے ان خطوط وغیرہ کا علم جو انہوں نے بادشاہوں کو تحریر فرمائے۔

(۴۹) ـــــ اصحاب حدیث نے جن ابواب کو جمع کیا ہے ان کی معرفت اور اس بات کی جستجو کہ ان میں سے کون سا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔

(۵۰)ـــــ اس کے علاوہ احادیث کی مندرجہ ذیل اقسام کا علم بھی ہونا چاہیے

(۱) صحیح	(۲) حسن	(۳) ضعیف
(۴) مسند	(۵) متصل	(۶) مرفوع
(۷) موقوف	(۸) مقطوع	(۹) مرسل
(۱۰) معضل	(۱۱) تدلیس	(۱۲) شاذ
(۱۳) غریب	(۱۴) معنعن	(۱۵) معلق

(۱۶) مفرد	(۱۷) مدرج	(۱۸) مشہور
(۱۹) مصحف	(۲۰) عالی	(۲۱) نازل
(۲۲) مسلسل	(۲۳) معروف	(۲۴) منکر
(۲۵) مزید	(۲۶) ناسخ	(۲۷) منسوخ
(۲۸) مقبول	(۲۹) مشکل	(۳۰) مشترک
(۳۱) موتلف	(۳۲) مختلف	(۳۳) مطروح
(۳۴) متروک	(۳۵) مول	(۳۶) مبین
(۳۷) مجمل	(۳۸) معلل	(۳۹) مضطرب
(۴۰) مہمل	(۴۱) مجہول	(۴۲) موضوع
(۴۳) مقلوب	(۴۴) حدیث ماثور	(۴۵) قدسی
(۴۶) عزیز	(۴۷) زائدالثقہ	(۴۸) موثق
(۴۹) متواتر		

اب اگر کوئی شخص تقلید نہ کرنا چاہے تو ٹھیک ہے وہ ان تمام علوم کو حاصل کرے اور احادیث وقرآن سے اپنے مسائل کا حل نکالے اور جو ایسا نہ کر سکے یا اُس کے پاس اتنا وقت نہ ہو تو اس کے پاس سوائے تقلید کرنیکے اور کونسا راستہ رہ جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ تقلید ایسے شخص کے لئے جائز نہیں ہے جو اجتہاد پر قدرت رکھتا ہے، بلکہ صرف اس شخص کے لئے جائز ہے جو اجتہاد سے قاصر ہو جیسے

عوام، جہلاء یا وہ طالب علم جس میں ہنوز صلاحیت اجتہاد پیدا نہ ہوئی ہو۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قواعد عامہ میں کہا گیا ہے کہ

"الفتویٰ فی حق الجاھل کا لاجتھاد فی حق المجتھد
فتویٰ ان پڑھ کے لئے ایسا ہی ہے جیسے اجتہاد مجتہد کے لئے" (الجامع صفحہ ۳۲۶)

"فتاوی المجتھدین بالسنته الی العوام کا لادلته اشرعیه بالسنته الی المجتھدین
عوام کے لئے مجتہدین کے فتوؤں کی وہی حیثیت ہے جو شرعی دلائل کی مجتہدین کے نزدیک"
(الموافقات جلد نمبر ۴ صفحہ ۲۹۲)

اور عوام کے لئے تقلید کا جائز ہونا ایک معقول بات ہے کیونکہ اجتماعی اور اقتصادی زندگی کا تقاضا یہ ہے کہ بعض لوگ صنعت وحرفت کے مختلف پیشوں میں مشغول ہوں۔ پس اجتہاد کے مواقع اسی شخص کو حاصل ہیں جو علم فقہ اور اصول فقہ میں مہارت تامہ رکھتا ہو لیکن جس کو یہ مواقع حاصل نہ ہوں یا وہ مہارت تامہ نہ رکھتا ہو تو اس پر مجتہدین کی تقلید عقلاً واجب ہے اس آیت پر عمل کرتے ہوئے کہ

" فاسئلو اھل الذکران کنتم لاتعلمون
اگر علم نہیں رکھتے تو اہل علم سے پوچھو"

نواں اعتراض

بہت سے افراد یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ امامؑ نے غیبت کبریٰ میں جاتے ہوئے تقلید کے لئے اپنے خصوصی نائبین کیوں نہ بنائے تا کہ ان کے وسیلے سے شیعہ ان سے رابطہ کر کے اپنی مشکلات حل کرواتے، امامؑ کا خصوصی نائب تقلید کے لئے مقرر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ تقلید کا حکم اسلامی نہیں ہے بعد کی پیداوار ہے۔

جواب

تاریخ وروایات سے پتا چلتا ہے کہ امامؑ کے لئے اتنی مشکل تھی اور جان کا خوف تھا کہ امامؑ معصوم اپنے چوتھے نائب کے بعد غیبت کبریٰ میں چلے گئے، روایت میں ہے کہ امام حسن عسکریؑ نے حضرت حجتؑ کو بچانے کی غرض سے اپنی وصیت تک میں صاحب الامرؑ کو اپنا وصی نامزد نہ کیا بلکہ آپ کی والدہ ماجدہ کو وصی بنایا تا کہ وہ ان کے کام انجام دیں۔

(اصول کافی باب مولد ابی محمدؑ الحسنؑ ابن علیؑ)

امام حسن عسکریؑ نے بیٹے کی بات کو جان بوجھ کر وصیت میں پوشیدہ رکھا تا کہ ان خطرات سے صاحب الامرؑ محفوظ رہیں جو بادشاہ وقت کی طرف سے ان کو لاحق تھے۔ امام حسن عسکریؑ اس سلسلے میں اس قدر محتاط تھے اور بیٹے کی ولادت کی خبر کے انکشاف سے بھی اتنے ہوشیار تھے کہ کبھی

کبھی اس قدر مجبور ہوتے تھے کہ اپنے خاص اصحاب سے بھی تقیہ برت کر اس امر کو چھپا لیتے تھے اور ان پر صورت حال کو مشتبہ بنا دیتے تھے۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۵۱ صفحہ ۲۲، اثبات الھداۃ جلد نمبر ۷ صفحہ ۸۷، اثبات الوصیۃ صفحہ ۱۹۸)

تو جب امام معصومؑ کے لئے اس قدر دشمنی پائی جاتی تھی اور حضرت حجتؑ کے چوتھے نائب کے انتقال کے بعد حالات اتنے خراب ہو گئے تھے کہ اگر امامؑ ان کے بعد کسی اور کا نام بتا کر جاتے تو دشمن ان نائبین کو بھی آزاد نہ چھوڑتے اور قتل کر دیتے۔

اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ غیبت صغریٰ کے بعد غیبت کبریٰ کا آغاز ہونا تھا اور آہستہ آہستہ لوگوں کو اس بات کا عادی بنانا تھا کیونکہ عوام الناس کے لئے امامؑ اور رہبر کا نظروں سے اوجھل ہونا اور وہ بھی طویل مدت کے لئے یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو نہایت عجیب و غریب اور نامانوس ہے اور اس پر لوگوں کا یقین کرنا مشکل ہے۔ اسی وجہ سے پیغمبرؐ اور آئمہؑ نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس بات سے لوگوں کو رفتہ رفتہ آشنا کریں اور اس کو قبول کرنے کے لئے ان کے افکار کو آمادہ کریں لہٰذا وہ وقتاً فوقتاً غیبت کی خبر دے کر زمانہ غیبت کے دوران لوگوں کو تکلیفوں، غیبت سے انکار اور منکرین کی سزا۔ ثبات قدم کا ثواب اور زمانہ ظہور کے انتظار کی باتیں لوگوں کو سناتے تھے کبھی اپنی رفتار و گفتار سے عملی طور پر غیبت کی شبیہ فراہم کرتے تھے۔

مسعودی نے اثبات الوصیۃ میں تحریر کیا ہے کہ جب امام حسن عسکریؑ امام ہادیؑ کی جگہ تشریف فرما ہوئے تو وہ اکثر پردے کے پیچھے سے لوگوں سے کلام کرتے تھے تاکہ شیعہ بارہویں امامؑ کی غیبت قبول کرنے پر تیار ہو جائیں۔ (اثبات الوصیۃ صفحہ ۲۰۶)

اگر امام حسن عسکریؑ کی وفات کے فوراً بعد غیبت کبریٰ شروع ہو جاتی تو ممکن تھا کہ امام زمانہ کا وجود ہی فراموش کر دیا جاتا۔ اسی وجہ سے شروع ہی میں غیبت صغریٰ کی ابتداء ہوئی تاکہ شیعہ ان دنوں میں نائبین امامؑ کے وسیلے سے اپنے امامؑ سے تعلق پیدا کر کے علامتوں اور کرامتوں کا مشاہدہ کریں اور ان کا ایمان کامل ہو جائے لیکن جب افکار ساتھ دینے لگے اور رجحان غیبت زیادہ ہو گیا تو غیبت کبریٰ شروع ہو گئی۔

حسین ابن احمد کہتے ہیں! امامؑ کے چوتھے نائب علی بن محمد سمریؒ کی وفات سے چند روز قبل میں ان کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک خط جو بارگاہ امامؑ سے جاری ہوا تھا انہوں نے لوگوں کے سامنے پڑھا جس کا مضمون یہ تھا۔

> ''اے علی بن محمد سمری، خدا تیری موت کے سلسلے میں تیرے بھائیوں کے اجر میں اضافہ کرے اس لئے کہ تو چھ دن کے اندر اندر دنیا کو خیر آباد کہہ دے گا، اپنا کام مکمل کر لیکن کسی کو اپنا جانشین نہ بنانا اس لئے کہ اس کے بعد کامل غیبت شروع ہوگی۔'' (بحار الانوار جلد نمبر ۵۱ صفحہ ۳۶۱)

اس میں امامؑ نے علی بن محمد سمری کو منع بھی کر دیا کہ کوئی خاص نائب نہ بنانا کیونکہ نائب خود مقرر کرنے کا کام سمری کا تھا بھی نہیں اور غیبت کو بہت ہی طولانی بھی ہونا تھا جس میں کسی یا چند ایک خاص نائبین کی ضرورت نہ تھی ورنہ بہت سے امامؑ کے نائب ہونے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو جاتے اور لوگوں کو اپنے غلط افکار سے گمراہ کرتے۔

روایت ہے کہ

''جب علی بن محمد سمری کی وفات نزدیک ہوئی تو شیعوں کی ایک جماعت ان کی خدمت میں پہنچی تا کہ ان کے جانشین کے بارے میں ان سے پوچھا جائے۔ وہ فرمانے لگے کہ مجھے کسی کو جانشین بنانے کا حکم نہیں ہے۔'' (بحار الانوار جلد نمبر ۵۱ صفحہ ۳۶۰)

لہٰذا اپنے خاص نائبین نہ بنانے کی ایک وجہ تو امت کو جھوٹے نائبین سے محفوظ رکھنا تھا۔ دوسرا یہ کہ اگر انہیں بتا بھی دیتے تو خطرہ تھا کہ انہیں قتل کر دیا جاتا اور اگر نائبین بنانے ہی ہوتے تو پھر ضروری تھا کہ غیبت کبریٰ کے فوراً بعد سے لے کر ظہور امامؑ تک کے تمام نائبین کے نام بتا کر جاتے جو کہ ایک غیر معقول بات ہوتی لہٰذا امامؑ کے لئے ضروری تھا کہ وہ اصول بتا کر جاتے اور امامؑ بتا کر بھی گئے کہ

"فاما الحوردث الواقعه فارجعو فيها الیٰ روات

احادثینا فانھم حجتی علیکم و انا حجتہ اللّٰہ

آئندہ پیش آنے والے مسائل میں تم ہمارے راویانِ حدیث کی طرف رجوع کرو (یعنی فقہاء و مجتہدین کی طرف) کیونکہ یہ میری طرف سے تم پر حجت ہیں جس طرح ہم اُن پر خدا کی طرف سے حجت ہیں۔''

یہ بات بھی کہے بغیر نہ رہ جائے کہ ہمیں غیبت امامؑ اور اس سے متعلق جتنی باتیں ہیں ضروری نہیں ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی حکمت ہمیں پتا بھی ہو۔ ان میں بہت سی باتیں خدائی راز ہیں جیسا کہ مختلف روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

عبداللہ بن فضل ہاشمی کہتا ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا کہ

''فضل! غیبت کا موضوع خدا کے رازوں میں سے ایک راز ہے جب ہم خدا کو صاحب حکمت جانتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم اعتراف کریں کہ اس کے کاموں میں کوئی نہ کوئی حکمت کارفرما ہوتی ہے چاہے اس کی تفصیل ہمیں معلوم نہ ہو۔''

(بحارالانوار۔ جلد نمبر ۵۲ صفحہ ۹۱)

لہٰذا ہماری جو ذمہ داری دیگر آئمہؑ اور خود بارہویں امامؑ نے بتائی ہے ہمیں اسی کو اپنانا چاہئے جب امام قائمؑ نے فرمادیا کہ ہمارے راویان

حدیث یعنی مجتہدین کی طرف رجوع کرو کیونکہ تم پر ہماری طرف سے حجت ہیں تو لہٰذا ہماری ذمہ داری امامؑ کی حجت کی پیروی کرنے پر پوری ہو جاتی ہے۔

دسواں اعتراض

بہت سے لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ تقلید میں ساری ذمہ داری مجتہد کی ہوتی ہے ہماری ذمہ داری نہیں جبکہ آیات وروایات سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔

جواب

جب آیات وروایات سے ثابت ہو چکا کہ خود امامؑ نے تقلید کا حکم دیا ہے کہ مجتہدین کی پیروی کرو تو اب ان مجتہدین کی پیروی دراصل امامؑ ہی کی پیروی ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ مجتہد جو کچھ کہتا ہے وہ قرآن و حدیث سے کہتا ہے تو اب مقلِد کا عمل مجتہد کے فتویٰ کے مطابق ہی ہوتا ہے دوسرے الفاظ میں قرآن وحدیث کے مطابق ہوتا ہے یعنی مقلِد کے عمل کی ذمہ داری مجتہد پر بلا واسطہ اور قرآن وحدیث پر بالواسطہ مجتہد ہوتی ہے۔ ہاں اگر مجتہد قرآن وسنت سے فتویٰ کو اخذ نہ کرتا اور اپنے ذاتی تعقل کو دین میں جاری کر دیتا تو پھر اس پر ذمہ داری ڈالنا عقلاً وشرعاً صحیح نہ ہوتا بلکہ مجتہد اپنی پوری صلاحیتوں کو استعمال کر کے جو فتویٰ قرآن وحدیث سے

اخذ کرتا ہے اس میں اگر وہ غلطی پر بھی ہو (کیونکہ بہر حال وہ غیر معصوم ہے) تب بھی روایات سے پتا چلتا ہے کہ اس میں بھی اس کے لئے اجر ہے جیسا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا۔

"اذ حکم الحاکم فاجتهد ، ثم اصاب فله اجران و
اذا حکم اجتهد ثمم اخطافله اجر
یعنی جب کوئی مجتہد حکم دینے میں صحیح اجتہاد کرے تو اس
کے لئے دو اجر ہیں اور اگر اس نے اجتہاد میں غلطی کی تو
اس کے لئے ایک اجر ہے۔"

گیارہواں اعتراض

ایک اعلم کی تقلید کی کیا ضرورت ہے یہ دور تو Specialization کا دور ہے اس میں فقہ کے ہر شعبہ میں الگ الگ ماہر مجتہدین ہونا چاہئیں اور کسی ایک "اعلم" کی تقلید کی ضرورت نہیں ہے۔

جواب

ہماری فقہ کے اعتبار سے مجتہدین کی دو قسمیں ہیں

(۱) مجتہد مطلق (۲) مجتہد متجزی

______ مجتہد مطلق وہ ہوتا ہے جو پوری فقہ کے ہر شعبہ کا مکمل

ماہر ہو اور اگر کسی ایک شعبہ کا بھی وہ مکمل ماہر نہ ہو تو پھر وہ مجتہد مطلق نہیں ہوتا۔

______ مجتہد متجزی وہ ہوتا ہے جو کسی ایک یا چند ایک فقہی ابواب میں مہارت رکھتا ہو مکمل فقہ میں نہیں۔

اور یہ فقہی مسئلہ بھی ہے کہ اگر مجتہد اعلم سے بھی اوپر نکل جائے تو پھر اس شعبہ میں اس مجتہد متجزی کی تقلید ہوگی اور بقیہ شعبوں میں اسی اعلم کی تقلید ہوگی اور اگر فقہ کے کئی ابواب کے ایسے ماہرین مجتہدین متجزی سامنے آجائیں جن کی اپنے شعبوں میں مہارت ''اعلم'' سے بڑھ جائے تو شعبہ کے اعلم متجزی مجتہد کی اس کے اپنے شعبہ میں تقلید ہوگی۔

لیکن ایسا عملاً ہوتا نہیں ہے۔ مجتہد مطلق کی مہارت عملی طور پر تمام فقہی ابواب میں سب سے زیادہ ہوتی ہے لہٰذا اسی کی تقلید ہر شعبہ میں کی جاتی ہے اور جہاں اس سے مسئلہ حل نہ ہو سکے تو وہ احتیاط واجب یا اشکال جیسے الفاظ اپنے رسالہ عملیہ میں استعمال کرتا ہے تاکہ اس کا مقلِد اگر چاہے تو اس کے بعد سب سے بڑے ماہر مجتہد کی طرف اس مسئلے میں رجوع کر سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ اجتہاد وتقلید ایک شرعی حکم ہے جس پر اعتراض خدا اور رسولؐ پر اعتراض ہے اور جو لوگ تقلید کے حرام ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو تقلید نہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں آیا وہ خود فتویٰ نہیں دے

رہے؟ کیا لوگوں کے لئے ان کی باتوں کی پیروی اور تقلید کرنا غلط نہیں ہے اگر غلط ہے تو وہ لوگوں کو یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہماری گفتار کی پیروی اور تقلید کرنا بھی حرام ہے، ہماری بات نہ ماننا۔

بارہواں اعتراض

جب خدا کے رسولؐ اور آئمہؑ کی باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ مجتہدین خدا، رسولؐ و اہل بیتؑ ہی کے احکامات بتلاتے ہیں تو پھر ان میں فتوؤں کا اتنا اختلاف کیوں ہے؟

جواب

بہت عرصے سے یہ اشکال دلوں سے نکل کر زبانوں پر آرہا ہے اور پھر یہ اعتراض کرنے والے بھی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ تو مجتہدین کے ساتھ بدظنی کے الجھاؤ میں اس قدر پھنس گیا کہ خوش اعتقادی کے باوجود شکوک کے اس بھنور سے نکل نہیں پا رہا ہے اور دوسرا گروہ اس مسئلے کو صحیح طور پر سمجھے بغیر تقلید ہی کو چھوڑ بیٹھا ہے۔

جاننا چاہئے کہ ہر شعبہ کی نظر اور فکری مسائل میں اس کے ماہرین کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ تمام سائنسدان، ڈاکٹر اور ماہرین اس شعبے کے تمام مسائل میں ایک رائے رکھتے ہوں پھر آخر اسلامی علوم ہی کے ماہرین پر یہ اعتراض کیوں کیا جائے کہ ان کی

ایک رائے کیوں نہیں ہے۔

جب بھی طبی کمیشن تشکیل دیئے جاتے ہیں تو ان کے اراکین کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کے بحث اور مشاورت کے باوجود وہ اختلاف رائے کو دور کرنے اور اس کا کوئی ایک حل تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے۔

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ ہر شخص ایک خاص انداز فکر اور ذوق کا مالک ہوتا ہے اور جس وقت وہ مطالعہ کرتے ہوئے مختلف شواہد، قرائن اور مقدمات کو پیش نظر رکھتا ہے اور ان میں سے بعض کو ترجیح دیتا ہے اور بعض کو رد کر دیتا ہے اور اصل بات بھی یہی ہے کہ جب بعض مسائل متعدد احتمالات کے حامل ہوتے ہیں تو صاحب نظر افراد کے درمیان ان کی تشریح و توجیہہ میں بہت کم اتفاق رائے ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے فقہاء و مجتہدین کے درمیان جو اختلاف رائے ہوتا ہے اس کی بنیاد علمی و تحقیقی ہے۔ نفسانی خواہشات اور شخصی اغراض کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا اور اگر خدانخواستہ کوئی مجتہد فتویٰ کے اس مقدس مقام پر نفسانی خواہشات یا ذاتی مفادات کا شکار ہو جائے تو پھر اسلامی حکم کی وجہ سے اپنی مجتہد شرائط پر پورا نہیں اترتا اور لوگ اس کی تقلید نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس طرح کا اختلاف رائے علم و فن کے تمام شعبوں میں پایا جاتا ہے۔ صرف فقہ اسلامی کے شعبے کے ساتھ ہی یہ اختلاف مخصوص نہیں ہے اور پھر

اس اختلاف کا پیدا ہونا بالکل قدرتی اور فطری ہے جیسا کہ آئندہ کی وجوہات سے بھی ظاہر ہو جائے گا۔

- جو شخص تقریر کرنے کے لئے علم حاصل کرے جس سے وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی قید میں لا سکے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ تو اس کے کسی عمل کو قبول کرے گا اور نہ کسی معاوضہ کو۔ (رسول اللہؐ)
- جس نے علماء کا استقبال کیا گویا اس نے میرا استقبال کیا۔ جس نے علماء کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی جو علماء کے پاس بیٹھا گویا وہ میرے پاس بیٹھا اور جو میرے پاس بیٹھا گویا وہ اللہ کے پاس بیٹھا۔ (رسول اللہؐ)
- بے بصیرت عمل کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی غلط راستے پر چل نکلے۔ پس وہ جس قدر جلدی آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا اسی قدر مقصد سے دُور ہوتا جائے گا۔ (امام جعفر صادقؑ)
- علم جتنا چاہو حاصل کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں علم سے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا، جب تک اس پر عمل نہ کرو اس لئے کہ علماء کا کام غور وفکر کرنا اور بے وقوفوں کا کام صرف نقل کرنا ہوتا ہے۔ (امام جعفر صادقؑ)
- عالم کا ایک گناہ بخشے جانے سے پہلے جاہل کے ستر گناہ بخشے جائیں گے۔ (امام جعفر صادقؑ)

اختلاف روایات اوران کی وجوہات

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مجتہدین کے درمیان فقہی اختلافات زیادہ تر روایات معصومینؑ میں اختلافات کی وجہ سے ہیں اور ان اختلاف روایات کی چند ایک وجوہات کا ہم تذکرہ کریں گے۔

پہلی وجہ

رسولؐ خدا پر جب بھی کوئی حکم پروردگار عالم کی طرف سے نازل ہوتا تھا جناب رسالت مآبؐ قولاً وعملاً خود کر کے بتلا دیتے تھے۔ وضو کا حکم آیا تو خود کر کے بتلا دیا۔ نماز کے احکامات آئے، پڑھ کر بتلا دی، وہ زمانہ سادہ تھا اور لوگوں کے اذہان بھی سادہ ہوتے تھے تو اکثر صحابہ احتمالات اور عقلیات دریافت بھی نہیں فرماتے تھے اور جو مسئلہ بحثیت واقعہ پیش آتا تھا وہ رسولؐ خدا سے دریافت کر لیا جاتا تھا اور جناب رسولؐ خدا اس مسئلے کے موافق ومناسب حکم ارشاد فرمادیتے تھے مثلاً وہ واقعہ جب ایک نابینا صحابی نے آکر حضورؐ سے عرض کیا کہ مجھے مسجد تک پہنچانے کے لئے کوئی شخص نہیں ہے مجھے اس کی اجازت ہے کہ گھر ہی میں نماز پڑھ لوں اور مسجد میں حاضر

نہ ہوا کروں۔ حضورؐ نے اجازت دے دی اور پھر یہ معلوم فرما کر کہ ان کا گھر اتنا قریب ہے کہ اذان کی آواز ان کے گھر میں جاتی ہے، ان کو اجازت نہ دی اور پھر مسجد میں آکر شرکت نماز کا حکم فرمایا لیکن عتبان بن مالک کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے ان کا عدم بینائی کا عذر قبول فرما کر ان کو مسجد میں نہ آنے کی اجازت دے دی۔

یا وہ واقعہ جس میں امام معصومؑ نے دو الگ الگ صحابیوں کی حالت کے مطابق ایک کو یہ حکم بتایا کہ خرگوش کا گوشت کھایا جا سکتا ہے (کیونکہ امامؑ جانتے تھے کہ اس علاقے کا رہنے والا ہے جہاں خرگوش کا گوشت نہ کھانا تشیع کی پہچان تھی اور نہ کھانے پر جرم تشیع میں اس شخص کی زندگی کو خطرہ تھا) اور دوسرے شخص کو یہ حکم بتایا کہ خرگوش کا گوشت نہیں کھایا جا سکتا (کیونکہ وہ عام مومنین ہی کے علاقے میں رہتا تھا) اس روایت کو شیخ مرتضیٰ انصاریؒ نے رسائل میں اس مقام پر جہاں ''تعارض الادلہ'' پر بحث کی ہے پیش کیا ہے اس بناء پر مختلف احکامات کو دو اوقات میں سننے والے جہاں جہاں جائیں گے وہ وہی امر نقل کریں گے جو انہوں نے اپنے کانوں سے معصومؑ سے سنا تھا کیونکہ رسولؐ اور امامؑ کے سامنے جو مجمع ہوتا تھا ان میں معذور، غیر معذور قوی وضعیف، ہر نوع کے اشخاص ہوتے تھے اور ہر شخص کے حالات اور قوت وضعف کے اعتبار سے حکم بدل جایا کرتا ہے۔

الحاصل۔ اختلاف روایت کی بڑی وجہ سوال پوچھنے والوں کے حالات کا مختلف ہونا بھی ہے کہ رسولؐ و امامؑ نے مختلف احوال و اوقات کے لحاظ سے دو وقتوں میں دو اشخاص کو علیحدہ علیحدہ حکم ارشاد فرمائے مجمع میں جو حکم بتایا گیا، دوسرا حکم بتاتے وقت وہ ہی پرانا مجمع ہونا ضروری نہیں کہ موجود ہو اس لئے دو جماعتیں، دو مختلف احکامات کی ناقل بن گئیں۔ اب کچھ ایسے صحابہ بھی ہوتے ہوں گے اور تھے جنہوں نے دونوں حکم سنے اور انکو ضرور یہ تامل اور غور و فکر کی ضرورت پیش آئی کہ ان مختلف احکامات کی وجہ کیا ہوئی۔ اب ذخیرہ احادیث میں ان مختلف روایات کے آنے کے بعد فقہاء اور مجتہدین کا فریضہ ہے کہ وہ دونوں طرح کی روایات کا ماخذ اور موقع محل تلاش کر کے ہر روایت کو اس کے موقع پر محمول فرما دیں لیکن اس کے باوجود بھی (جیسا کہ آگے چل کر واضح ہو جائے گا)، فقہاء میں اختلاف رائے ہو جاتا ہے اور ایسا ہونا روایات کے مختلف ہونے کی وجہ سے بدیہی اور فطری ہے۔

اب ایک عام شخص کے سامنے اگر ان سب روایات کا لفظی ترجمہ ہو وہ بیچارہ سوائے حیرانی کے اور کیا کر سکتا ہے لامحالہ پریشان ہوگا اور مختلف قسم کے اشکالات پیش آئیں گے اس لئے بالآخر ان حضرات کو جو کسی کی تقلید نہیں کرتے، سوائے تقلید کے کوئی اور راہ باقی نہیں رہتی۔ اور علماء کے تجربہ سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ جو لوگ اس بے علمی کی وجہ سے تقلید

کو چھوڑ بیٹھتے ہیں یا تقلید ہی نہیں کرتے، مشاہدہ یہ ہے کہ بالآخر وہ اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں اور بالکل ہی لامذہب بن جاتے ہیں اور کسی دین و مذہب یا شریعت کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق وخروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔

دوسری وجہ

اکثر اوقات جو ہمیں اختلاف روایات نظر آتا ہے وہ علت حکم کے اختلاف کی وجہ سے بھی پیش آتا ہے مثلاً روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ تشریف فرما تھے کہ ایک کافر کا جنازہ قریب سے گزرا، آپ کھڑے ہو گئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ ان ملائکہ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے تھے جو جنازے کے ساتھ تھے۔ اس صورت میں اگر مومن کا جنازہ گزرے تو بطریق اولیٰ کھڑا ہونا چاہئے لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ اس لئے کھڑے ہوئے تھے کہ کافر کا جنازہ مسلمانوں کے سر سے اونچا نہ ہو کہ اس میں توہین کا پہلو ہے تو اس صورت میں کھڑا ہو جانا صرف کافر کے جنازہ کے ساتھ مخصوص ہوا۔

غرض کہ روایات میں بعض اوقات حکم کو روایت کرنے والے نے کسی علت پر محمول سمجھا اور دوسرے روایت کرنے والے نے کسی دوسری علت پر محمول کیا اور دونوں اپنے اپنے فہم کے مطابق اس کو نقل کریں گے جس طرح ان کے ذہن میں ہے۔

لیکن جس شخص کے سامنے دونوں روایات ہیں وہ اصل اور وجوہ۔ یقیناً وہ ایک علت کو ترجیح دے کہ کسی ایک روایت کو اصل قرار دے گا اور دوسری کے لئے کسی توجیہہ کی فکر کرے گا مگر کون؟ صرف وہ شخص جس کے سامنے ہر مضمون کی سینکڑوں روایات موجود ہوں اور ہر ہر حدیث کے مختلف الفاظ سامنے ہوں بخلاف اُس شخص کے جسکے سامنے ایک ہی حدیث کا ترجمہ ہو نہ اس کو کسی دوسری حدیث کے ٹکراؤ (تعارض) کا علم ہو اور نہ وجوہ ترجیح کی خبر ہو۔ وہ کیا علت حکم (حکم کی وجہ) کے رجحان کو سمجھ سکتا ہے اور کیا کسی حدیث کو ترجیح دے سکتا ہے۔

تیسری وجہ

روایات واحادیث کے اختلاف کی ایک بڑی وجہ یہ ہی ہے کہ بہت سے الفاظ کلام معصومینؑ میں ایسے استعمال ہوتے ہیں جن کے لغوی معنیٰ بھی مستعمل ہیں اور اصطلاحی معنیٰ بھی۔ نبیؐ یا آئمہؑ نے ایک معنیٰ کے لحاظ سے کلام ارشاد فرمایا جبکہ سننے والوں نے دوسرے معانی میں سمجھا ایک روایت کے مطابق سلمان فارسیؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میں نے ''توریت'' میں پڑھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنا برکت طعام کا سبب ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد دونوں وقتوں میں وضو کرنا برکت طعام کا سبب ہے۔ اسی جگہ سلمانؓ کے کلام میں بھی اور جناب رسولؐ خدا کے ارشاد میں بھی وضو لفظ ہاتھ دھونے کے

معنوں میں ہے جبکہ بعض نے اسکو اصطلاحی معنوں میں لیا ہے۔

چوتھی وجہ

بعض اوقات مجتہدین میں الفاظ روایت کا مفہوم سمجھنے میں اختلاف ہو جاتا ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جس طرح سے کبھی ایک شعر کے معنیٰ متعین کرنے میں مختلف آراء اور نظریات کا اظہار کیا جاتا ہے مثلاً شیخ سعدی کا یہ شعر

از در بخشندگی و بندہ نوازی
مرغ ہوا را نصیب ماہی دریا

بعض کے نزدیک اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ

''شاعر کی مراد یہ ہے کہ خدا نے از راہ مہربانی بعض پرندوں کو بعض مچھلیوں کی غذا بنا دیا ہے (ماہی سفرہ ایک خاص قسم کی مچھلی ہے جو پرندوں کو شکار کرنے کے لئے سطح آب پر تیرتی ہے)۔''

بعض اس شعر کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ

''خدا نے از راہ مہربانی مچھلیوں کو ہوا میں اڑنے والے پرندوں کی غذا بنایا ہے''

بعض شعراء کے نزدیک اسکے معنیٰ یہ ہیں کہ

''خدانے از راہ مہربانی فضا کو پرندوں کا حصہ بنایا

تا کہ وہ اس میں پرواز کریں اور دریا کو مچھلیوں کا حصہ
بنایا کہ وہ اس میں تیرتی رہیں۔''

لیکن ایک گروہ ان تینوں تشریحات کو قبول نہیں کرتا اور اس طرح شعر کی تشریح کرتا ہے۔

''کہ خدا نے از راہ مہربانی اور بندہ پروری پرندوں
اور مچھلیوں یعنی حیوانات کے گوشت کو انسانوں کی غذا
قرار دیا ہے۔''

یا مثلاً شاعر کا یہ شعر کہ

دم بھر نہ ٹھیرے دل میں نہ آنکھوں میں ایک پل
اتنے سے قد پہ تم بھی قیامت شریر ہو

بعض کے نزدیک یہ شعر شاعر نے اپنے خیالی محبوب کے لئے کہا ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد آنسو ہیں کہ جب دل بھر آتا ہے اور پھر آنسو آنکھوں میں آجاتے ہیں تو وہ آنکھوں میں بھی نہیں ٹہرتے اور بہہ جاتے ہیں۔

بالکل اسی طرح روایات معصومینؑ کے سمجھنے میں بھی اختلاف ہو جایا کرتا ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک روایت کے ایک معنیٰ لئے جاتے ہیں اور بعض دوسرے معنیٰ کو اختیار کرتے ہیں اور کسی ایک معنیٰ کو اختیار کرنے کے لئے وہ اپنے دلائل بھی رکھتے ہیں۔

مسئلہ نماز جمعہ

مثلاً نماز جمعہ کے وجوب میں علماء کے کئی گروہ ہو گئے اور یہ اختلاف بھی زیادہ تر مفہوم حدیث کو سمجھنے میں ہے کہ معصومؑ کی حدیث ہے کہ

"لاجمعته بدون الامام
جمعہ نہیں ہو سکتا اگر امام نہ ہو"

اب یہاں لفظ امام نہ ہونے سے امامؑ کی کیا مراد ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ یہاں امام سے مراد امام معصومؑ ہیں۔ یعنی غیبت امامؑ میں جمعہ نہیں ہو سکتا اسی لئے سید مرتضیٰؒ کا فتویٰ یہ تھا کہ غیبت امامؑ میں نماز جمعہ پڑھنی حرام ہے اور بعض علماء نے اس کا یہ مفہوم لیا کہ امام سے مراد امام جماعت ہے۔ یعنی امامؑ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ نماز جمعہ فرادیٰ نہیں ہو گی ہمیشہ جماعت سے پڑھی جائے گی۔ ان معنوں کو اختیار کرنے والے علماء کے نزدیک نماز جمعہ واجب رہے گی۔

مسئلہ خمس

مثلاً خمس کی ادائیگی میں فقہاء کا اختلاف بھی مفہوم حدیث کو سمجھنے ہی کا اختلاف ہے کہ جس میں امام معصومؑ نے فرمایا کہ۔

"ہم نے اپنے شیعوں پر سے خمس کو معاف کر دیا ہے"

(جبکہ زیادہ تر روایات میں یہ ہے کہ ہم ایک ایک درہم کا حساب

اپنے شیعوں سے لیں گے۔)

اب یہاں لفظ خمس معاف کر دیا ہے؟ سے امام کی کیا مراد ہے اس کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ شیخ مفیدؒ کا نظریہ تھا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اس زحمت خمس کو معاف کر دیا ہے کہ ہمیں لا کر دو بلکہ زمین ہی میں دفن کر دو یعنی خمس معاف نہیں کیا ہے بلکہ خمس پہنچانے کی زحمت کو معاف کیا ہے۔ کیونکہ شیخ مفیدؒ کا زمانہ وہ تھا کہ جس کسی کے متعلق یہ معلوم چل جاتا تھا کہ یہ خمس نکالتا ہے اسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ خمس حکومت کا حق سمجھا جاتا تھا اور جو خمس خود لیتا ہو وہ گویا اس ملک میں دوسری parallel حکومت بنا رہا ہے تو اسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ تو اب یہاں خمس معاف کر دیا ہے سے مراد یہ ہے کہ تمہاری آسانی کے لئے کہ تمہاری جانیں بچ جائیں ہم نے تم پر لا کر دینے کی زحمت معاف کر دی ہے بلکہ زمین ہی میں اس کو دفن کر دو اور بعض کے نزدیک اس کے بھی دلائل ہیں کہ جب امامؑ ظہور کریں گے تو زمین اپنے سارے خزانے اگل دے گی تو وہ خمس بھی امامؑ تک پہنچ جائے گا۔

بعض متقدمین کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ بالکل ہی معاف ہے۔ لیکن زیادہ تر فقہاء کا نظریہ ہے جو کہ اور دلائل کی روشنی میں ہے کہ مراد امامؑ یہ ہے کہ کافروں سے یا غیر معتقد (جو خمس کا اعتقاد نہیں رکھتے)

سے جو مال ملتا ہے اس پر سے خمس معاف ہے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں امام معصومؑ نے ان لوگوں کے ساتھ لین دین کی اجازت دی ہے اگرچہ یہ لوگ خمس نہیں دیتے۔ یعنی اگر کسی کے مال پر خمس واجب ہو اور وہ نہ دے تو اس کا مال حرام ہے اور اگر حرام ہے تو اس سے خریدنا اور کاروبار کرنا سب حرام ہے دوسرے الفاظ میں امامؑ نے ان سے کاروبار و معاملہ کرنے کی اجازت دی ہے ورنہ اگر ان سے خرید و فروخت یا کاروبار نہ کیا جائے تو ایک زحمت و مشکل میں مومنین گرفتار ہو جائیں گے۔

مسئلہ وضو

وہ روایات جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص خدمت امامؑ میں آیا اور کہا مولا میرے پاؤں پر پٹی بندھی ہے میں مسح کس طرح کروں امامؑ نے فرمایا ''تم پر معاف ہے''۔

اب یہاں معاف ہے سے کیا مراد ہے۔ اس کے مفہوم کو سمجھنے میں فقہاء میں اختلاف ہو گیا۔ بعض نے کہا کہ اگر پاؤں پر پٹی بندھی ہو تو پھر وضو ہی معاف ہے۔ یعنی تیمم سے نماز پڑھنا ہے اور بعض کے نزدیک معاف ہے سے مراد یہ ہے کہ پٹی اتار کر پاؤں پر مسح معاف ہے یعنی پٹی

ہی کے اوپر مسح کرلو یعنی دوسرے الفاظ میں یہ وضو جبیرہ کا موقع ہے۔

یہ وہ حدیث رسولؐ کہ

"حب علیؑ یا کل ازنوب کما تا کل النار الحطب

کہ علیؑ کی محبت گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس

طرح آگ سوکھی لکڑی کو کھا جاتی ہے۔"

ظاہر الفاظ حدیث سے بعض نے اس کا یہی مطلب لیا کہ اگر علیؑ کا محبّ گناہ کر بھی لے تو علیؑ کی محبت اس کو ختم کر دے گی لیکن بعض نے یہ مطلب لیا کہ اگر علیؑ کی محبت دل میں آجائے تو پھر مومن گناہ کرے گا ہی نہیں۔ گناہ ہی ختم ہو جائیں گے۔ گناہ کا خیال بھی دل میں نہ آئے گا۔

یا مثلاً وہ حدیث کہ

"الجنتہ تحت اقدام الامہات

جنت ماں کے قدموں تلے ہے"

بعض علماء نے اس سے یہ مراد لی ہے کہ اس میں خطاب اولاد سے ہے کہ تم ماں کی خدمت اور اس کے دل کو خوش کر کے جنت کو حاصل کر سکتے ہو اور بعض علماء کے نزدیک اس میں خطاب ماں کو ہے کہ اے ماں یہ تجھ پر منحصر ہے کہ تو اچھی تربیت کر کے اپنی اولاد کو جنتی بنا دے یعنی تیری اولاد کی جنت تجھ پر تیری تربیت پر منحصر ہے۔

ان تمام مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات مفہوم

روایت سمجھنے میں اختلاف ہو جایا کرتا ہے اور جو عین قرین عقل بھی ہے۔

پانچویں وجہ

روایات کا باہمی ٹکراؤ بعض اوقات اختلافات مجتہدین کا سبب بن جاتا ہے مثلاً غسل جمعہ کے لئے جو روایات آتی ہیں ان میں آپس میں ٹکراؤ پایا جاتا ہے غسل جمعہ واجب ہے یا مستحب؟ اس میں علماء تشیع میں اختلاف پایا جاتا ہے کچھ پرانے علماء مثلاً محمد ابن یعقوب کلینیؒ، شیخ صدوقؒ اور شیخ بہائیؒ کے نزدیک غسل جمعہ واجب تھا لیکن موجودہ زمانے کے اکثر مجتہدین غسل جمعہ کو مستحب مانتے ہیں یہ اختلاف کیوں ہوا؟ احادیث ملاحظہ ہوں۔

ایک حدیث جو فروع کافی میں زرارہ ابن اعینؒ نے پانچویں امام امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ

"ان غسل الجمعته واجب

بیشک غسل جمعہ واجب ہے"

دوسری حدیث میں فرمان معصومؑ ہے کہ

"اگر کوئی شخص غسل جمعہ نہ کر سکا تو اس پر غسل جمعہ رہے گا ہفتہ تک قضا کر سکتا ہے۔"

◆ علماء رہبر ہوتے ہیں اور متقی سردار ہوتے ہیں۔ (رسول اللہؐ)

تیسری حدیث کہ

''اگر غسل جمعہ کے لئے پانی نہ ہو تو پانی خرید کر لاؤ''

ان تمام احادیث سے تو بظاہر یہ لگتا ہے کہ غسل جمعہ واجب ہے۔ اب اس کے مقابلے میں فروع کافی ہی میں انہی زرارہ ابن اعینؒ سے اور انہی امام معصومؑ سے روایت کی گئی ہے کہ پوچھا مولا سنت غسل کون سے ہیں۔ پھر امام نے سنت غسلوں کی فہرست بتائی اور اس میں غسل جمعہ کا نام بھی تھا (جبکہ انہیں صحابی کی روایت کے مطابق غسل جمعہ واجب تھا) اور دوسری روایت جو شیخ صدوقؒ نے خصال میں لکھی ہے کہ پوچھا گیا کہ مولا مرد اور عورت کی عبادتوں میں کتنے فرق ہیں؟ امام نے کئی فرق بتائے اس میں ایک یہ بھی تھا کہ مرد کے لئے غسل جمعہ مستحب ہے۔

تقیہ کا مسئلہ

یا مثلاً تقیہ کے متعلق مجتہدین کا اختلاف ہے کہ تقیہ رخصت ہے یا عزیمت۔ مطلب سمجھانے کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ

عزیمت ـــــ ایسی سہولت جس کا لینا واجب ہے۔

رخصت ـــــ ایسی سہولت جس کو چھوڑ بھی سکتے ہیں۔

وہ علماء جو جان کے تقیہ کو عزیمت کہتے ہیں وہ ایسی روایات کو لے کر آتے ہیں جن سے یہ معلوم چلتا ہے کہ تقیہ کرنا واجب ہے (جبکہ تقیہ کا

موقعہ ہو) مثلاً

''حدیث لاتقیہ لمن لا دین لہ

جس کے پاس تقیہ نہیں اس کا کوئی دین نہیں''

وہ علماء جو تقیہ رخصت قرار دیتے ہیں وہ یہ حدیث لے کر آتے ہیں جس میں مسمانوں کو کافروں نے پکڑ لیا اور کہا کے ہمارے عقیدہ کا اقرار کرو ایک نے انکار کر دیا تو کافروں نے اس کو قتل کر دیا دوسرے نے یہ حالت دیکھی تو خلاف عقیدہ باتوں کا اقرار کرلیا اب وہ خدمت رسولؐ میں آئے اور پیغمبرؐ اسلام کو تمام حالات بتائے تو رسولؐ خدا نے فرمایا

''کہ پہلے نے تو جنت میں جانے میں جلدی کی اور

تو نے بھی جنت کو بچالیا ہے''

یعنی رسولؐ اسلام نے دونوں کو شاباش دی اگر تقیہ عزیمت ہوتا اور کرنا واجب ہوتا تو پہلے والے صحابی کا عمل غلط ہو جاتا اب اس روایت سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ رخصت ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو مجتہدین تقیہ کے بارے میں ایک ہی فتویٰ دیں لیکن مقام استعمال میں دونوں کا نظریہ الگ ہو سکتا ہے۔

روایات کے ٹکراؤ کی صورت میں مجتہدین کا عمومی طریقہ

اگر دو برابر قوت کی روایتیں باہم ٹکرا رہی ہوں وہیں سے مجتہد کا اصل امتحان شروع ہوتا ہے اور وہ ہے ''جمع بین الروایتین'' جسے مجتہد تو ر

اجتہاد سے حل کرتا ہے اور جس میں اصول فقہ کے بعض قوانین سے بھی مدد لی جاتی ہے۔

مطلق ومشروط کا ٹکراؤ

مثلاً اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر ایک روایت مطلق ہو (بغیر کسی شرط یا قید کے) اور دوسری روایت مقید ہو (جس میں کوئی قید یا شرط لگائی گئی ہو) تو اس مطلق روایت کو ہم مقید کرلیں گے۔

مثلاً اگر یہ روایت ہو کہ شب قدر میں دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے۔ تو اب یہ روایت مطلق ہے اور اس میں کسی شرط کا ذکر نہیں ہے۔ اب دوسری روایت آجائے کہ صبح کے قریب دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے۔ تو اب اس روایت میں شرط ہے اور صبح کے قریب ہونے کی قید لگائی گئی ہے تو اب طریقہ کار یہ ہے کہ دوسری والی روایت کو پہلی روایت پر حاوی کر دیا جائے گا اور کہیں گے کہ پہلی روایت میں بھی مراد آخر شب ہے۔ یعنی مطلق روایت جب مشروط سے ٹکراتی ہے تو وہ بھی مشروط ہو جاتی ہے۔

واجب وحرام کا ٹکراؤ

یا اصول فقہ میں ایک اصول یہ بھی ہے کہ کسی شے کو حرام کرنے والی روایت جب اس چیز کو واجب کرنے والی روایت سے ٹکراتی ہے تو حرام کرنے والی روایت کی طاقت عام طور پر واجب قرار دینے والی روایت

سے زیادہ ہوتی ہے یا اس کو کاٹ دیتی ہے یا اس کے مطلب کو کم کر دیتی ہے یا اس کے دائرے کو چھوٹا کر دیتی ہے۔

مثلاً اگر ایک روایت میں ہو کہ ''علماء کا احترام کرنا واجب ہے۔''

(واجب کرنے والی روایت)

دوسری روایت میں اگر ہو کہ ''خبردار! فاسق وفاجر عالم کا احترام کرنا۔''

(حرام کرنے والی روایت)

تو اب یہاں حرام کرنے والی روایت، واجب کرنے والی روایت کے دائرے کو چھوٹا کر دیگی اور اس کا جمع اس طرح ممکن ہوگا کہ تمام علماء کا احترام واجب ہے سوائے دین فروش اور فاسق وفاجر علماء کے۔

دو برابر کی روایت میں ٹکراؤ

یا جیسے مثلاً نماز جمعہ کے مسئلے میں دو برابر قوت کی روایتیں آپس میں ٹکرا رہی ہیں۔

ایک روایت کے مطابق

جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھنی واجب ہے۔

دوسری روایت کے مطابق

جمعہ کے دن نماز ظہر پڑھنا واجب ہے۔

تیسری روایت کے مطابق

ہفتہ کی کل نمازیں پینتیس ہیں۔ جو یہ بتا رہی ہے کہ جمعہ کے دن بھی

پانچ ہی نمازیں واجب ہیں، چھ نہیں ہیں کیونکہ اگر نماز جمعہ واجب ہوتی تو ہفتہ کی نمازیں چھتیس ہو جاتیں۔

اب دونوں روایات جو برابر قوت کی ہیں آپس میں ٹکرا رہی ہیں اب یہاں نہ ایک روایت مطلق ہے نہ دوسری مقید ورنہ مقید کو مطلق پر حاوی کر دیتے اور نہ یہاں واجب وحرام والی روایت ہے ورنہ حرام قرار دینے والی روایت کو واجب والی روایت پر حاوی کر کے اس میں استثناء ڈال دیتے تو اب یہاں اصول فقہ کا دوسرا اصول استعمال کیا گیا ہے جب دو روایتیں آپس میں ٹکرائیں (مثلاً نماز جمعہ وظہر) تو اب اس میں ہمارے مجتہدین کے دو گروہ ہیں۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جب دو ایسی روایتیں ٹکرائیں کہ جب دونوں سے بچنے کا راستہ نہ ہو، نہ ان کو ملا سکتے ہوں۔ نہ جوڑ سکتے ہوں نہ جمع کر سکتے ہوں تو اس صورت میں احتیاط واجب یہ ہے کہ دونوں پر عمل کرو۔ یہ مسئلہ زیادہ تر پرانے فقہاء کا تھا ان کے نزدیک نماز جمعہ بھی پڑھنا پڑے گی اور نماز ظہر بھی۔

دوسرا گروہ مجتہدین یہ کہتا ہے کہ جب دو روایتیں ایسی ہوں کہ نہ تو ان میں مطلق و مقید ہو اور نہ واجب وحرام والا مسئلہ تو پھر یہ دونوں روایتیں ''واجب تخیری'' بتاتی ہیں یعنی معصومؑ نے یہ اختیار دیا ہے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی ادا کر دو۔ یعنی مثلاً نماز جمعہ وظہر واجب تخیری

ہیں کوئی سی بھی پڑھ لو۔

چھٹی وجہ

روایت بالمعنیٰ کی وجہ سے۔ یعنی صحابہ کرامؓ اور تابعین کے ابتدائی دور میں روایت بالفظ کا اتنا اہتمام نہیں تھا بلکہ اکثر مقامات رسولؐ کے ارشاد کو اپنے الفاظ میں نقل کر دیا جاتا تھا چونکہ روایت بالفظہ مشکل تھی اس لئے روایت بالمعنیٰ بھی نقل کر دی جاتی تھی اور اسی وجہ سے بزرگ ومحتاط صحابہ حضورؐ کی طرف نسبت کم فرماتے تھے اور روایت کے بالمعنیٰ ہونیکی وجہ سے اختلاف ناگزیر تھا کیونکہ تعبیرات مختلفہ سے روایات میں اختلاف ہو ہی جاتا ہے۔

ساتویں وجہ

کثرت وسائط۔ کہ احادیث کی روایات میں جس قدر واسطے بڑھتے گئے سابقہ سب وجوہات کی بناء پر ان میں اتنا ہی اختلاف پیدا ہوتا گیا۔ یہ وجہ ظاہر ہے کہ ہر شخص اس کا تجربہ کر سکتا ہے۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ کسی قاصد کے ہاتھ آپ ایک بات کہلا کر بھیجتے ہیں لیکن اس بات کو پہنچانے میں اگر چند واسطے ہو جائیں گے تو اس میں اختلاف لازمی اور بدیہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے روایات کو ترجیح دینے کی وجوہات میں علو سند (یعنی واسطوں کے کم ہونے کو) کو ایک بڑی وجہ قرار دی ہے۔ کیونکہ عقلاً نقلاً

تجربۂ و مشاہدۂ کثرت وسائط اختلاف کا سبب ہوا کرتے ہیں۔

آٹھویں وجہ

احادیث کے راویوں کا سہو و نسیان۔ کیونکہ سہو و نسیان لوازم بشر میں سے ہیں اور سب ہی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اس لئے نقل روایت میں سہو کا ہونا ممکن ہے۔ بہت سی ایسی مثالیں ہیں جہاں روایت کو نقل کرنے والوں سے باوجود ان کے معتبر اور سچے ہونے کے غلطی کا صدور ہوا ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے خبر واحد پر عمل کرنے کے لئے بہت سے اصول مقرر کئے ہیں کہ ان پر روایت کو پرکھ لیا جائے اگر قواعد کے مطابق ہو تو عمل کیا جائے ورنہ نہیں اور اسی وجہ سے آئمہؒ سے منقول احادیث کی وجہ سے فقہاء ہمیشہ اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جو مضمون قرآن کے مطابق ہو اگر چہ دوسری طرف کے روایت کرنے والے زیادہ ثقہ یا تعداد میں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

نویں وجہ

کتب احادیث کا ضائع ہو جانا، ہمارے زمانہ میں کتب حدیث کی چار بڑی کتابیں ہیں۔

(۱) اصول کافی (۲) تہذیب الاحکام عن المسائل الحلال والحرام

(۳) استبصار فی مختلف من الاخبار (۴) کتاب الفقیہ لمن لایحضرہ الفقیہ

لیکن شیخ صدوقؒ کے دور میں احادیث کی پانچ بڑی کتابیں تھیں اور پانچویں تھی ''مدینۃ العلم'' جو بارہ جلدوں کی تھی اور علم حدیث کی سب سے بڑی کتاب تھی وہ غائب ہوگئی۔ اس زمانے کے علماء کے سامنے مدینۃ العلم کی احادیث تھیں جس کی بنیاد پر انہوں نے فتوے دیئے تھے لیکن آج کے دور کے مجتہدین کے پاس وہ احادیث نہیں پہنچیں۔ ان کے فتوے کچھ اور ہو گئے یا امام صادقؑ نے چار سو اصولوں پر مشتمل کتب لکھوائیں جنہیں ''اصول اربعماۃ'' کہا جاتا ہے ان میں سے اب سب کی سب ہمارے پاس نہیں لہذا جن تک احادیث پہنچیں۔ ان کے فتوے کچھ اور ہو گئے اور جن تک نہیں پہنچیں ان کے کچھ اور۔

دسویں وجہ

ضعف روایت۔ واسطوں کی کثرت کی وجہ سے بعض راوی غیر معتبر اور ضعیف بھی آ گئے اور یہ بھی کہ بعض راوی حافظہ کی خرابی یا کسی عارضے کی وجہ سے کچھ کا کچھ نقل کر دیتے تھے جن کی وجہ سے روایات میں گڑ بڑ ہونے لگی اور غلط روایات بھی نقل کی جانے لگیں۔ اسی وجہ سے فقہاء نے حدیث پر عمل کرنے کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ راوی کے حالات سے مکمل واقفیت ہو اور علم رجال میں مکمل بصیرت رکھی جائے۔

◆ علماء اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق پر امین ہیں۔ (رسول اللہؐ)

اقسام احادیث

یہاں بہتر ہوگا کہ ہم راویوں کے اعتبار سے چند اقسام احادیث کا تذکرہ کردیں۔

(۱) حدیث متواتر

وہ روایت جس کو اتنے لوگوں نے بیان کیا ہو کہ ایک وقت اتنے افراد کا ایک جھوٹی بات پر جمع ہونا ناممکن ہو مثلاً حدیث غدیر "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" ایسی روایت حدیث متواتر کہلاتی ہیں۔

(۲) حدیث صحیح

جس کے سب کے سب راوی شیعہ اور عادل ہوں۔ مثلاً حدیث زھب جو آٹھویں امامؑ نے نیشاپور میں ارشاد فرمائی تھی کہ

"کلمتہ لاالہ الا اللہ حصنی فمن قالھا دخل حصنی و من دخل حصنی امن من عذابی

لا الہ الا اللہ میرے قلعہ ہے جو اس قلعہ میں داخل ہوگیا اس نے عذاب خدا سے امان پائی۔"

(۳) حدیث حسن

وہ حدیث جسکے سب راوی شیعہ ہوں لیکن عادل نہ ہوں مگر ممدوح "یعنی ان کی تعریف کی گئی ہو مگر اتنی نہیں کہ وہ عادل بن جائیں"

(۴) حدیث قوی

جس روایت کے سب راوی شیعہ ہوں لیکن نہ ان کی مدح آئی ہو نہ قدح یعنی نہ ان کی برائی آئی ہو نہ اچھائی آئی ہو۔

(۵) حدیث موثق

جس روایت کے راویوں میں کوئی ایک غیر شیعہ ہو مگر اپنے مذہب کا عادل ہو اور جھوٹ کو حرام سمجھتا ہو۔ یہ روایات سب سے زیادہ تعداد میں ہیں۔

اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ چھٹے امامؑ کی شہادت کے بعد شیعوں کی دو تہائی تعداد غیر شیعہ ہو گئی تھی کیونکہ چھٹے امامؑ کے بیٹے اور ساتویں امامؑ کے بھائی عبداللہ افطح نے دعویٰ امامت کر دیا تھا اور ان کے ماننے والوں کی تعداد ساتویں امامؑ کے ماننے والوں سے بھی زیادہ ہو گئی تھی اور اسی طرح ساتویں امامؑ کے ایک اور بھائی اسماعیل کے ماننے والوں کی بھی کافی تعداد ہو گئی تھی اب ان کو ماننے والے اکثر دیانتدار تھے اور دھوکہ کھا کر اس طرف چلے گئے تھے لیکن عادل تھے یعنی جتنا سنا تھا چھٹے امامؑ سے اتنا ہی نقل کرتے ہیں ان کی حدیثیں بھی لی گئی ہیں جو موثق کہلاتی ہیں اسی طرح سنی راویوں سے بھی احادیث لی گئی ہیں جو ان کے مذہب کے مطابق عادل ہوں۔

(۶) حدیث ضعیف

یہ وہ حدیث ہے جس کا راوی غیر شیعہ بھی ہو اور اپنے مذہب کا غیر عادل بھی ہو۔

حاصل کلام

اب بہت سے علماء ایسے تھے جو یہ کہتے تھے کہ ہم صرف حدیث متواتر کو لیں گے، باقی حدیثوں کو نہیں لیں گے تو اب ان کے فتوئی کچھ اور ہو گئے۔ لیکن بعض مجتہدین کے نزدیک حدیث متواتر کے ساتھ ساتھ حدیث صحیح کو بھی لیا جائیگا اور عمل کیا جائے گا۔ لیکن متقدمین علماء میں مثلاً سید مرتضیٰؒ کا فتوئی کچھ اور ہوگا اور ان علماء کا کچھ اور ہوگا جو حدیث صحیح پر بھی عمل کرنا جائز سمجھتے ہیں علامہ حلیؒ کے بعد تقریباً سب ہی مجتہدین کے نزدیک حدیث صحیح پر عمل کرنا جائز ہے اور اقسام حدیث مثلاً حدیث متواتر اور حدیث صحیح پر ان علماء کے نزدیک عمل ہوگا واجب وحرام کے سلسلے میں، لیکن مستحبات ومکروہات کے سلسلے میں حدیث حسن، حدیث قوی حدیث موثق اور بعض کے نزدیک حدیث ضعیف بھی چل جاتی ہے اور اس پر بھی عمل ہوسکتا ہے (قاعدۃ التسامح فی ادلۃ السنن کے تحت)

اب مثلاً ہوسکتا ہے کہ آج سے ۱۰۰ سال بعد کا مجتہد اگر واجب و حرام کے سلسلے میں حدیث حسن کو لے گا تو اس کے فتوئی میں وہ عمل واجب

ہو جائے گا جبکہ موجودہ مجتہدین کے نزدیک وہ عمل مستحب تھا اور اس طرح فتوؤں میں اختلاف ہو جائے گا۔

کیونکہ ایک نقل کرنے والا ایک بات نقل کرتا ہے تو زید کے نزدیک وہ معتبر ہے تو عمرو کے نزدیک غیر معتبر ہے، زید کے نزدیک اس کا حافظہ قوی تھا تو عمرو کے نزدیک اس کا حافظہ قوی نہیں تو اس طرح سے اور بہت سی وجوہات ہیں تو اس لحاظ سے زید کے نزدیک اس کی روایت سچی اور پکی اور عمرو کے نزدیک وہ نا قابل التفات۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی اہم ہے کہ راوی کے حافظہ کے متعلق پانچ جروح ہیں۔

(۱) اکثر غلط روایت نقل کر دینا

(۲) روایات کی نقل میں غفلت کرنا

(۳) کسی قسم کا وہم کرنا

(۴) معتبر راویوں کی مخالفت کر دینا

(۵) حافظہ میں کسی قسم کی خرابی ہونا

لہذا ان مختلف اسباب ضعیف کی بناء پر ایک روایت کسی ایک مجتہد کی تحقیق میں سچی ثابت ہوئی تو اس کے نزدیک وہ واجب العمل اور اس سے جو حکم ثابت ہو وہ واجب العمل، دوسرے مجتہد کے نزدیک وہ روایت معیار صداقت میں درجہ کمال کو نہیں پہنچی اس وجہ سے اس کے نزدیک اس

سے حکم شرعی کا ثبوت دشوار۔ اور حقیقۃً اس اختلاف کی عقل بھی تصدیق کرتی ہے کہ جب روایات واحادیث کی صحت وسقم کا دارومدار رواۃ کے احوال پر ہے اور رواۃ کے احوال میں اختلاف تحقیق یقینی ہے تو روایات و احادیث پر عمل میں اختلاف بھی یقینی ہے۔ اس کی مثال اس بیمار کی سے ہے جو طبیبوں کے درمیان ہو ایک ڈاکٹر کے نزدیک اس کا مرض نہایت خطرناک۔ دوسرے کے نزدیک معمولی اور تیسرے کے نزدیک بیمار کا وہم ہی اس کی بیماری کا سبب ہے۔ اسی طرح ایک راوی کسی مجتہد کے نزدیک معتبر ہے، تو کسی کے نزدیک غیر معتبر اور مطعون ہے تو اسی حالت میں نہ ڈاکٹروں پر حملہ کیا جاسکتا ہے نہ آئمہ جرح تعدیل پر بلکہ بیمار کے تیمارداروں سے یا احادیث وشریعت کے پیرؤں سے یہی کہا جائے گا کہ تمہاری نگاہ میں جس شخص کی تحقیق پُر اعتماد ہو یا جس کی تم تقلید میں ہو اس کے ساتھ رہو نہ کہ یہ معجون مرکب بنا کر سب کا استعمال شروع کردیا جائے آئمہ حدیث نے بھی تصریح کی ہے کہ ناقدین حدیث کی مثال اس صراف کی سی ہے کہ جو سونے کو دیکھ کر تاڑ جاتا ہے کہ کھرا ہے یا کھوٹا۔

گیارہویں وجہ

جھوٹی روایات کا بنایا جانا۔ زمانہ رسولؐ کے بعد بھی ایک دور ایسا آیا جس میں لوگوں نے عملاً جھوٹ بولنا شروع کردیا۔ ان جھوٹے لوگوں میں بہت سے ایسے تھے جو اپنی اغراض کی وجہ سے حدیثیں گھڑ دیتے تھے۔ ایسی

حالت میں جس قدر اختلاف بھی روایات میں واقع ہو، کم ہے۔ علماء ایک شخص کا واقعہ بھی نقل کرتے ہیں جو ایک زمانے میں خوارج کا سردار تھا، پھر اس کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی تو اس وقت اس نے یہ نصیحت کی کہ حدیث حاصل کرتے وقت اس کے رواۃ کی تحقیق کرلیا کرو ہم لوگ جب کسی بات کو پھیلانا چاہتے تھے اس کو حدیث بنالیا کرتے تھے۔

اسی طرح زنادقہ نے چودہ ہزار احادیث گھڑیں جن میں سے ایک شخص عبدالکریم ابن ابی العوجاء ہے جس کو خلیفہ مہدی کے زمانے میں سولی پر چڑھایا گیا۔ جس وقت اس کو سولی دی جارہی تھی تو اس نے کہا میں نے چار ہزار حدیثیں گھڑی ہیں جن میں حلال اشیاء کو حرام بنایا اور حرام کو حلال بنایا۔

اور بعض لوگ محض کسی امیر یا بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے حدیثیں گھڑ لیا کرتے تھے مثلاً معاویہ کے دور میں اس شخص کو انعام واکرام سے نوازا جاتا تھا جو من پسند اشخاص کی مدح میں حدیثیں بنا کر لائے۔

اسی وجہ سے علمائے حدیث کو موضوع (جھوٹی) روایات کی رد میں بھی کتابیں تصنیف کرنا پڑیں اور کیونکہ کچھ روایات کے ساتھ ان وضعی روایات کا اختلاط بھی ہوگیا لہٰذا اختلاف روایات کا ہونا اظہر من الشمس ہے۔

بارہویں وجہ

آئمہ اطہارؑ کے زمانے میں بعض احکام کا موضوع، ان احکام کی

نوعیت اور ان کی خصوصیات واضح تھیں۔ لیکن بعد کے زمانے میں چونکہ وہ اصل موضوع باقی نہ رہا، اس لئے اختلاف رائے پیدا ہوا۔

مثلاً احکام نماز سے متعلق روایات میں آیا ہے کہ اگر نماز میں بدن یا لباس پر ایک درہم سے کم انسانی خون کا دھبہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

اس روایت کا جس زمانے سے تعلق ہے۔ اس زمانے میں تمام لوگ درہم کے بارے میں جانتے تھے کہ کتنا ہوتا ہے لیکن بعد کے زمانوں میں درہم کی وضع قطع کے بارے میں ناواقفیت کی بناء پر مختلف اقوال سامنے آئے۔

(۱) درہم ہتھیلی کے گڑھے کے برابر ہوتا ہے۔

(۲) درہم انگوٹھے کی پور کے برابر ہوتا ہے۔

(۳) درہم درمیانی انگلی کی پہلی پور کے برابر ہوتا ہے۔

(۴) درہم انگشت شہادت کی پہلی پور کے برابر ہوتا ہے۔

تیرہویں وجہ

تقیہ کی وجہ سے۔ آئمہؑ کی کئی روایات تقیہ کی حالت میں کہی گئی ہیں تو وہ ان روایات سے متعارض ہوتی ہیں جو اس وقت ارشاد فرمائی گئی تھیں کہ جب حالت تقیہ نہ تھی۔ تو اب بہت سے مجتہدین کے نزدیک ایک روایت تقیہ کے حالت کہی گئی ثابت ہو جاتی ہے ان کا فتویٰ کچھ اور ہو جاتا ہے اور بعض کے نزدیک وہ موارد تقیہ میں سے نہیں ہوتی ان کا فتویٰ کچھ اور ہو جاتا ہے۔

چودھویں وجہ

روایت کا سیاق وسباق معلوم نہ ہونا۔

آئمہؒ کی بہت سے روایات کا ایک سیاق وسباق Back ground تھا جس کے تناظر میں وہ کہی گئی تھیں۔ موجودہ مجتہدین کے سامنے وہ روایت تو آگئی لیکن اس کا وہ خاص Background نہیں آیا کہ جس حالت میں وہ کہی گئی تھی اور کیونکہ پرانے علماء ومجتہدین کی نگاہ میں وہ خاص سیاق وسباق تھا اُن کے فتوے اِن مجتہدین کے فتوؤں سے الگ ہو گئے۔

ان وجوہات کے علاوہ بھی اختلافات مجتہدین کے کئی اور اسباب بھی ہیں مثلاً زبان عربی میں ایک لفظ کے کئی مختلف معنیٰ کا ہونا، اصول فقہ کے اختلافات وغیرہ جن کو خوف طوالت کے باعث ذکر نہیں کیا جارہا لیکن وہ بھی اپنی جگہ اہم ہیں۔

- فقہاء رسولوں کے امین ہوتے ہیں جب تک وہ دنیاداری میں نہ پڑیں اور بادشاہوں (صاحبانِ اقتدار) کی پیروی نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کرنے لگ جائیں تو اُن سے بچ کر رہو۔ (رسول اللہؐ)
- ہر برائی سے بدتر بدترین علماء ہیں اور ہر اچھائی سے بہتر بہترین علماء ہیں۔ (رسول اللہؐ)

ایک قابل غور نکتہ

درحقیقت یہ اختلاف مجتہدین جو بظاہر افتراق معلوم ہوتا ہے، حقیقتاً افتراق نہیں اور جس درجے میں ہے اس میں رہنا ایک لازمی امر ہے۔ جس کا عدم بھی امت کے لئے سخت تنگی کا سبب ہے اور چونکہ اختلاف ثمرہ ہے، اختلاف روایت واحادیث کا، اس لئے ان میں بھی دینی مصلحت اس بات کی متقاضی تھی کہ اس کو اجمالی حالت میں اتارا جائے اگر وہ حقائق شرعیہ عقائد کی طرح سے قطعی طور پر نازل کئے جاتے تو اختلاف مجتہدین کی گنجائش نہ ہوتی اور اس وقت اختلاف گمراہی کا سبب ہوتا اور عدم اختلاف امت کے لئے تنگی کا باعث ہوتا۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے مطابق و موافق نصوص سے استنباط اور اخذ کرے خواہ اس کی قابلیت رکھتا ہو یا نہیں یہ سخت گمراہی کا سبب ہے اور یہ اختلاف ممدوح نہیں بلکہ ممدوح اختلاف وہ ہے جو شرعی قواعد واصول کے ماتحت ہو۔

◆ جو شخص کہے یقیناً میں عالم ہوں، وہ جاہل ہے۔ (رسول اللہؐ)

ایک سوال

اختلاف رائے کو حل کیوں نہیں کر لیتے ؟

اس بحث سے ایک سوال لازمی پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ فتویٰ کے لئے مجتہدین ایک شوریٰ یا کمیٹی کیوں نہیں تشکیل دیتے اور ایک میز پر تبادلہ خیال کر کے اختلاف رائے کو حل کیوں نہیں کر لیتے ؟

سب سے پہلے تو یہ بات جان لینی چاہئے کہ مجتہدین فتاویٰ جاری کرنے سے پہلے، تمام ضروری تحقیق، مطالعہ اور مشورہ اچھی طرح کر لیتے ہیں اور اس کے بعد فتویٰ صادر کرتے ہیں اور وہ جب کسی مسئلے کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں تو اس مسئلے سے متعلق تمام کتابوں اور دوسرے فقہاء کی آراء کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں اور اپنے درس کی مجالس میں تمام مختلف نظریات کو پیش کر کے مسئلے کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور اس کے بعد کسی ایک نظریے کو ترجیح دیتے ہیں۔

حتیٰ کہ مراجع تقلید استفتاء کی مجالس تشکیل دیتے ہیں اور ان جلسوں میں مقلدین کے سوالات اور ان کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہوتی ہے اور

اچھی طرح تحقیق اور علمی مشوروں کے بعد کسی بھی سوال کے جواب میں قطعی اور آخری نظریے کو تحریر کیا جاتا ہے۔

لیکن پھر بھی یہ بات سمجھ لینی چاہئے اگرچہ اس طرح کا مذاکرہ اور مشاورت بہت سے فوائد کا حامل ہوتی ہے لیکن پھر بھی اختلاف رائے سو فیصد دور نہیں ہوتا کیونکہ تمام علمی مشاورتوں میں جگہ جگہ اختلاف رائے بدستور باقی رہتا ہے، مشاورت اور مذاکرہ اسے پوری طرح ختم نہیں کر سکتا۔

ماخذ

(۱) البیان فی التفسیر القرآن	آقائے خوئیؒ
(۲) فتنہ وضع احادیث	سید حسین رضوی
(۳) 20 جواب	دار الثقافۃ الاسلامیہ
(۴) اجتہاد وتقلید	آیت اللہ مشکینی
(۵) امام صادق پیشوا اور رئیس مذہب	عتیق بخشاشی
(۲) منبع عدل	آیت اللہ امینی
(۷) ولایت فقیہہ	آیت اللہ منتظری
(۸) رسالہ توحید	
(۹) حکومت اسلامی	امام خمینیؒ
(۱۰) نہج البلاغہ	سید رضیؒ